تعمیر حیات
لکھنؤ
پندرہ روزہ

رمضان ہم سے کیا چاہتا ہے ؟

رمضان المبارک کا وہ مبارک مہینہ آج خدا کے فضل سے ہمارے اوپر سایہ فگن ہے جس کی تعریف قرآن مجید اور حدیث شریف میں بار بار آئی ہے ۔ یہ مہینہ تلاوت وعبادت کا بھی ہے اور فیاضی وسخاوت کا بھی، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان ان دونوں چیزوں کا اسمیں زائد اہتمام کرتے ہیں اور دوسرے عام دنوں کے مقابلہ میں اسمیں ہمیشہ کھلا ہوا فرق محسوس ہوتا ہے، لیکن ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ عبادت وتلاوت اور فیاضی وسخاوت کی روح کیا ہے ؟ تلاوت کے مسئلہ میں بہتر اور مستحسن یہ ہے کہ پورا مہینہ اہتمام کے ساتھ اس میں گزرے اور صرف تراویح ہی نہیں بلکہ دن کے اور حصے بھی تلاوت سے معمور اور منور ہوں، اور ساتھ ہی حق تلاوت ادا کرنے کی بھی کوشش کی جائے، یعنی غیبت، لایعنی باتوں اور جھوٹے سچے قصوں سے پرہیز، نظر کی احتیاط وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا انحصار کیفیت پر ہے کمیت پر نہیں، حسن نیت پر ہے محض کثرتِ عمل پر نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جو چیز ہمیں میسّر ہے اور زندگی کا جو معیار ہمیں حاصل ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے اور حسن نیت اور اخلاص کو اپنا کر ہمارا جو بھی قدم اٹھے گا وہ انشاء اللہ صحیح سمت میں اٹھے گا شریعت نے کوئی بات ادھوری نہیں چھوڑی ہے ہر چھوٹی بڑی چیز کے لئے اس کے پاس مکمل ہدایت اور رہنمائی موجود ہے ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ کسی طرح یہ "چراغ" ہمارے ہاتھ آجائے اور ہم اپنی زندگی کی تاریک راہوں کو اس سے ہمیشہ ہمیش کے لئے منور کرلیں۔

"أفمن کان علیٰ نورٍ من ربہ کمن ھو اعمیٰ انما یتذکر اولوا الالباب۔

(کیا بھلا جو اللہ تعالیٰ کے نور پر ہے وہ ایسا ہو سکتا ہے جیسے اندھا، بیشک اس سے نصیحت عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں)۔

(مولانا سید محمد الحسنی ندوی مرحوم)

Regd No. LW/NP 56
TAMEER-E-HAYAT
Fortnightly
NADWATUL-ULAMA LUCKNOW 230007 (INDIA)
Phone:- 42949 / 49747

اسٹاف کوارٹرس

حضرات اساتذۂ کرام کے لئے رہائشی مکانات کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے، چنانچہ چار دو منزلہ مکانات کی تعمیر مکمل ہوگئی زیر استعمال ہیں، لیکن مزید مکانات کی ضرورت ہے۔

کُتب خانہ

دار العلوم ندوۃ العلماء کا کتب خانہ ہندوستان کے گنے چنے کتب خانوں میں سے ایک معروف ومشہور کتب خانہ سمجھا جاتا ہے، جہاں علوم سے دلچسپی رکھنے والے بیرونی ممالک کے بھی لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ یہ کتب خانہ دار العلوم کے وسیع وعریض ہال میں عرصے قائم ہے، اسکے لئے علیحدہ عمارت کی ضرورت کا عرصے سے احساس ہوتا رہا، بحمد اللہ کتب خانہ کی نئی عمارت کی تعمیر کا آغاز ہوگیا ہے، اللہ تعالیٰ تکمیل فرمائے۔

دار تحفیظ القرآن الکریم

دار العلوم ندوۃ العلماء نے جب دار العلوم میں شعبۂ حفظ کا افتتاح کیا تھا اسوقت یہ ارادہ بھی کر لیا تھا کہ اس شعبہ کے لئے علیحدہ عمارت ہوگی جس میں تعلیم کے ساتھ رہائش کا بھی نظم ہوگا۔ اس عمارت کا بھی نقشہ منظور ہو گیا ہے

خدا کے بھروسہ پر مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب عبد اللہ بن عبد اللہ زائد کے ہاتھوں اس کا بھی سنگ بنیاد رکھ دیا گیا نیز انھیں کے ہاتھوں طلبہ کی سہولت کی خاطر ایک ڈسپنسری کی بھی بنیاد رکھ دی گئی۔

پریس اور دفاتر کی عمارت

پریس اور مختلف دفاتر کے لئے علیحدہ ایک عمارت بھی عرصے زیر تجویز رہی ہے تاکہ دار العلوم کی عمارت صرف تعلیمی اغراض ہی میں استعمال ہو، سارے درجات اسی میں رہیں جگہ کی تنگی کی وجہ سے جو انتشار کبھی کبھی ہو جاتا ہے وہ ختم ہو جائے چنانچہ اس عمارت کا بھی نقشہ منظور ہو گیا ہے اور اس عمارت کی تعمیر بھی ہونا ہے۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دار العلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی اور ہمت سے کام لیکر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون واعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔ آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی میں شریک تھے، ان کو یاد ہوگا کہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ نے غیر ملکی معزز عرب مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:-

"یہ سونے کی چڑیاں سب اڑ جائیں گی، ہم اور آپ یہاں رہینگے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائینگے، آپ کے چار آنے آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں۔ یہ جو کچھ دینگے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے انکو دیا ہے اور جو آپ دینگے وہ آپکے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہوگی"

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں سے زیادہ وہ مقصد عزیز ہے جس کے لئے یہ دار العلوم قائم کیا گیا ہے، یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی موثر اور صحیح ترجمانی دین و دنیا کی جامعیت اور علم وروحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری وامتیاز کا اعلان و اظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، مسلک کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد ہمیں اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں، ہم اللہ کا نام لے کر انمیں سے متعدد اہم کام جنمیں سر فہرست "دار تحفیظ القرآن الکریم" اور ایک عظیم الشان لائبریری کا قیام ہے (جہاں انشاء اللہ مطالعہ، بحث وتحقیق اور علمی استفادہ کا اعلیٰ انتظام ہوگا) آغاز کر رہے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل وعریض ملک کے کسی علاقے کے ہوں ہماری مکرر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اسکو اپنا ہی کام سمجھیں، ہمیں یقین اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ انشاء اللہ مولانا مدظلہ کی بیش قیمت و بابرکت رہنمائی و نظامت میں اگر احباب و مخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام نہ صرف ملک کے گوشہ گوشہ بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہونچے گا۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

(مولانا) معین اللہ ندوی — (نائب ناظم ندوۃ العلماء)

(مولانا) محب اللہ لاری ندوی — (مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء)

(جناب) مصباح الدین نقوی — (معتمد مال ندوۃ العلماء)

لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر (۱۷) | ۱۰ جولائی سنہ ۱۹۸۰ء ——— ۲۶ شعبان المعظم سنہ ۱۴۰۰ھ | شمارہ نمبر ۱۷

زر تعاون

اندرون ملک	۱۶ روپے
فی پرچہ	۸۰ پیسے
بیرون ملک بحری ڈاک جملہ ممالک	۴ پونڈ
ہوائی ڈاک	
ایشیائی ممالک	۶ پونڈ
افریقی ممالک	۷ پونڈ
یورپ و امریکہ	۹ پونڈ

فکر اور تشویش کی بات

ندوۃ العلماء نے لوگوں کو جس قدیم و جدید کے امتزاج کی دعوت دی تھی اس میں غیر معمولی کشش ہے اور اس نے وسیع پیمانے پر ہر طبقہ کو متاثر کیا، اسی وجہ سے نہ صرف ہند و پاک بلکہ عالم اسلام اور مشرق و مغرب ہر جانب سے اس کی طرف غیر معمولی رجوع ہوا، اور اس وقت بلا مبالغہ دار العلوم میں جتنے اخبارات و رسائل اور علمی کتابیں آتی رہتی ہیں اور معاشرہ کے ہر طبقہ کی طرف سے خطوط کا جو سیلاب آتا رہتا ہے اس کی نظیر برصغیر ہی نہیں عالم اسلام میں مشکل سے ملے گی، اسی کے ساتھ یہاں کے ذمہ داروں کا مسلسل بیرونی سفر اور دنیا کے گوشہ گوشہ سے ان کا براہ راست ربط و تعلق اور مختلف اور متنوع شخصیات کی ندوہ میں آمد۔ ان سب چیزوں نے یہاں کے ماحول کو بین الاقوامی ماحول میں تبدیل کر دیا ہے اس لئے دنیا کے رجحانات، خیالات، افکار اور تحریکوں کے بارے میں یہاں کے فضلاء کی معلومات تازہ، جدید، متنوع اور گوناگوں ہوتی ہیں، ان سب کی جھلک البعث الاسلامی، الرائد اور تعمیر حیات کے صفحات، یہاں کی تصنیفات اور علمی مجلسوں اور مذاکروں میں دیکھی جا سکتی ہے، طلبہ سے لے کر اساتذہ تک عالم گیر انسانی و اسلامی اخوت کے رشتہ سے منسلک اور اسی کے درد و غم کو اپنا درد و غم بناتے اور سارے جہاں کا درد اپنے جگر میں پاتے ہیں اور جہاں غلط اور نامناسب بات دیکھتے ہیں اس پر تنقید و احتساب کرنے اور نصیحت و خیر خواہی کا فرض انجام دیتے ہیں، اسی جذبے سے ۱۰ جون کا اداریہ "ہوشیار اے ملت بیضاء ما" لکھا گیا تھا اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں ندوہ کے تینوں ترجمانوں نے ہمیشہ حق کی حمایت اور باطل پر تنقید کی ہے اور کسی ملامت کی پروا نہیں کی ہے، اور نہ اس کی تنقیدوں اور احتساب میں گروہی اور جماعتی مفاد کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے ایک مراسلہ نگار نے ہمارے ۱۰ جون کے اداریہ کے جواب میں ہماری نیت پر حملہ کیا ہے، اور اس کو چڑھتے سورج کی پرستش سے تعبیر کیا ہے، ہم نے ہمیشہ حق بات کی حمایت کی ہے اور انشاء اللہ یہ فرض ہم انجام دیتے رہیں گے مگر اس وقت عالم اسلام کی جو صورت حال ہے اس میں حق بات کہنے سے ہمارے علماء گریز کرنے لگے ہیں اس کی وجہ سے ملت اسلامیہ شدید خطرات سے دوچار ہو رہی ہے۔

بہت سے حضرات جن کی معلومات عالم اسلام اور اس کے سیاسی رہنماؤں، قائدین اور وہاں کے علماء کے بارے میں بہت سطحی اور اخباری ہیں وہ پندرہویں صدی ہجری کو اسلام کے غلبہ و تفوق اور اسلامی انقلاب کی صدی قرار دے رہے ہیں، کاش ہم اس حسن ظن اور خوش فہمی میں ان کا ساتھ دے سکتے۔

لیکن عالم اسلام پر جن لوگوں کی گہری نظر ہے اور جنہوں نے قوموں کے عروج و زوال کے فلسفہ کا گہرا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ آج کا عالم اسلام تباہی و بربادی کے غار کی طرف تیزی سے جا رہا ہے۔ اور بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے یہ قبر کھود رہا ہے یہ مزید مایوسی اور دل شکستگی پیدا کرنے والی بات ہے، مایوسی اور دل شکستگی کی یہ بات نہیں ہے کہ عالم اسلام کے پاس دولت و ثروت نہیں، اگر یہ دولت نہ ہوتی تو اس کے حق میں کہیں بہتر ہوتا مگر افسوس کی بات تو یہ ہے کہ یہ ساری دولت اور طاقت ضائع کی جا رہی ہے بلکہ مسلمانوں ہی کے خلاف استعمال ہو رہی ہے، مایوسی اور فکر مندی کی یہ بات نہیں ہے کہ عوام سے لے کر حکام تک طرح طرح کی اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہیں، لیکن تشویش کا جو سب سے خطرناک پہلو ہے وہ ایسے عناصر کا فقدان ہے جو ان برائیوں کو برا کہہ سکیں اور ان کے روکنے کی جرأت و ہمت ان کے اندر موجود ہو بلکہ اس کا تصور تک شاید وہ نہیں کرتے، اس لئے کہ تن آسانی اور آسائش کے یہ عادی ہو چکے ہیں، زہد و قناعت کی اور قربانی کی زندگی کا تصور ان کے لئے مشکل ہے۔ ہمارے اداریہ کے جواب میں ہمارے متعدد قارئین نے یہ تجویز پیش کی ہے ان ننگ انسانیت حکمرانوں کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کیا جائے اور علماء ان کو واجب القتل قرار دیں۔ مگر یہی تو بنیادی سوال ہے کہ کون سے علماء ایسا فتویٰ دینے کے لئے تیار ہوں گے۔ کیا ایسے علماء سے آپ فتویٰ کی توقع رکھتے ہیں جو حافظ الاسد جیسے سفاک اور ظالم حکمران کو نام نہاد الیکشن میں کامیابی پر مبارکبادی کا پیغام بھیجتے ہیں یا ایسے علماء سے جو خود اپنے حکمرانوں کے چشم و ابرو کے اشاروں پر رقص کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں اور ضمیر فروشی ہی نہیں ملت فروشی پر کمربستہ نظر آتے ہیں۔

علماء ہمیشہ زمانہ کے محتسب اور نگراں رہے اور حکومت و معاشرہ پر ان کی گرفت مضبوط رہی، جب تک ان کی بالادستی حکومت و معاشرہ پر قائم رہی یہ ملت ہر طرح کے امراض اور انحراف سے محفوظ رہی لیکن جب یہ طبقہ بھی تن آسانی عیش کوشی اور معاشی افکار کا اسیر ہو گیا اور عوام کے دوش بدوش چلنے لگا تو معاشرہ بھی ان کی گرفت سے آزاد ہو گیا

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ سولہ روپے ارسال فرمائیے، اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ 19/25 روپے کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

کتاب و سنت سے

اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت دین کی اصل روح

از: مولانا سید عبد الحی حسنی رح

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔ (سورہ توبہ - ۲۴)

کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو خدا اور اس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ خدا اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ۔ (سورہ مائدہ - ۵۴)

اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو خدا ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں۔

فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔

لیکن جو ایمان لانے والے ہیں وہ تو خدا ہی کے دوست دار ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کے اندر تین باتیں ہوں وہ ایمان کی لذت محسوس کریگا، اس کو اللہ اور رسول ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں۔ وہ کسی آدمی سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے۔ وہ کفر کی طرف دوبارہ لوٹنا اتنا ہی ناپسند کرے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہو۔ (متفق علیہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم میں کوئی شخص اس وقت تک پکا مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہوں۔ (رواہ البخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت ہے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کو اس کے اہل و عیال، مال اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ محبوب ہوں۔ (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے فرمایا: ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس اعرابی نے کہا، اللہ اور رسول کی محبت۔ (جواب میں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم جس سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہو گے۔ (یہ سنکر) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں، مجھے (خدا سے) امید ہے کہ ان حضرات کے ساتھ ہوں گا چاہے ان کے جیسے کام نہ کر سکوں۔ (رواہ مسلم)

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا، اس نے عرض کیا اللہ کے رسول! ایسے شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے کچھ لوگوں سے محبت کی لیکن ان سے مل نہ سکا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مومن اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو میرے خاص بندے سے دشمنی کرتا ہے میں اس سے اعلان جنگ کر دیتا ہوں، میرا بندہ جس چیز (عمل) سے مجھ سے قربت حاصل کرتا ہے اس میں ہم کو وہ (عمل) زیادہ پسند ہے جو ہم نے اس پر فرض کیا ہے، اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے برابر قریب ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اسکا کان بنجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو دیتا ہوں، اور اگر وہ میری پناہ چاہتا ہے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں۔ (رواہ البخاری)

نگران اعلیٰ:

مولانا ابو العرفان ندوی

مجلس ادارت:

نذر الحفیظ ندوی

شمس الحق ندوی

محمود الازہار ندوی

پرنٹر، پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر "تعمیر حیات" ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بمبئی میں

خالص گھی اور میوہ جات سے بھرپور

مٹھائیاں اور حلویات

عمدہ و لذیذ

سلیمانی افلاطون

اس کے علاوہ خصوصی پیش کش

ڈرائی فروٹ برفی

ملک کیک * قلاقند * ملائی * برفی * کوکو ملائی برفی

ہر قسم کے تازہ و خستہ

بسکٹ

اور

نان خطائیاں

خریدنے کا قابل اعتماد مرکز

سلیمان عثمان مٹھائی والے

مینارہ مسجد کے نیچے، بمبئی

فون 320059

برانچ: ۳۳ - محمد علی روڈ بمبئی - ۳

اور حکومت پر سے بھی ان کا رعب و دبدبہ ختم ہوگیا، سب سے پہلے علماء کی کمزوری، جاہ پسندی تن آسانی، اور ناعاقبت اندیشی کی سزا مصر میں ہمیں بھگتنی پڑی اس کے بعد تو جیسے تسبیح کے دانے بکھر گئے، ترکی میں بھی علماء کے باہمی تنازعے، چپقلش، فرقہ بندی اور اقتدار کی طلب نے ملت اسلامیہ کو ناقابل تلافی نقصان پہونچایا، یہی حال سارے عالم اسلام کا ہے کہ آپ دینی جلسوں، اور محفلوں میں دھواں دھار تقریریں سنیں گے مگر ؎

آنکھوں میں سرور عشق نہیں چہروں پہ یقیں کا نور نہیں

آپ ان عالموں اور شعلہ بیان مقرروں اور ایرکنڈیشنڈ میں بیٹھے ہوئے مفتیوں سے حافظ الاسد جیسے سفاک، قذافی جیسے مجنوں، جمال عبد الناصر جیسے چنگیز، اور اسی قماش کے دوسرے عیاش و قاتل حکمرانوں کے بارے میں قتل کا فتویٰ لینا تو دور کی بات ہے تکفیر کا فتویٰ بھی نہیں لے سکتے، اور نہ وہ اس بارے میں ایک لفظ کہنے پر تیار ہوں گے، البتہ دینداروں کی پوری جماعت کے قتل کا فتویٰ وہ ضرور صادر کردیں گے۔

ہمارا یہ احساس تھا اور اب بھی کسی درجہ میں امید باقی ہے کہ عالم عربی ہی نہیں مکہ اور مدینہ کے مسلمان چاہے گمراہ ہوجائیں تن آسانی اور مصلحت پرستی کے شکار ہوجائیں مگر ہندوستانی مسلمانوں کے ذہن و مزاج اور ان کی ساخت اور خاص ترکیب کو دیکھتے ہوئے اس کی پیشین گوئی شکل سے کی جاسکتی ہے کہ یہاں کے عوام اور علماء دین کے معاملہ میں کسی کوتاہی، بے غیرتی اور بے حمیتی کا شکار ہوں گے مگر اس وقت جب کہ ہمارے علمی و دینی مراکز۔ جہاں سے رشد و ہدایت کی روشنی اسلامی بلکہ انسانی آبادی کو تقسیم ہوتی ہے —— بھی گندی سیاست، توڑ جوڑ، اخلاقی بگاڑ، اقتدار کی حرص و ہوس اور اقربا پرستی کی قربان گاہ پر چڑھائے جاچکے ہیں) کس سے رہنمائی کی توقع کی جائے،

او خود گم است کرا رہبری کند

ہمارے لئے اس سے زیادہ فکرمندی کی اور کوئی بات نہیں یہ ملت اسلامیہ کی تاریخ میں (کم از کم ہندوستان کی حد تک) سب سے زیادہ نازک اور فیصلہ کن موڑ ہے، اگر ہم نے اسی طرح طبقۂ علماء کو زوال کا شکار ہوتے دیکھا اور خاموش تماشائی بنے رہے تو پھر ہندوستانی مسلمانوں ہی کی نہیں سارے عالم اسلام کے مکمل زوال کا خطرہ رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔

ندوۃ العلماء کی دعوت جس طرح آج سے ایک صدی پہلے اپنی افادیت اور جامعیت ثابت کرچکی ہے اسی طرح آج بھی اس سے بہتر اور مفید و موثر دعوت سارے عالم اسلام میں اس وقت نہیں ہے، بس ضرورت اس کی ہے کہ جماعتی عصبیت اور تنگ نظری سے بالاتر ہوکر ہم سوچنے کے لئے تیار ہوں۔

(ن ۔ ح)

رسالہ "البعث الاسلامی" کو مبارکباد!

ندوۃ العلماء کا عربی ترجمان مجلہ "البعث الاسلامی" اپنی عمر کے ۲۴ سال پورے کرکے پچیسویں سال میں داخل ہورہا ہے۔ اس مجلہ کا اجراء اس وقت ہوا تھا جب ہندوستان میں اسلامی عربی صحافت کا آغاز تھا، اس سے پہلے ندوۃ العلماء ہی سے مجلہ "الضیاء" نکلا کرتا تھا جو چند سال کے بعد بند ہوگیا، اس کے بعد "اسلام کی نشأۃ ثانیہ" کے عنوان اور "الی الاسلام من جدید" کے شعار و پیغام کے ساتھ "البعث الاسلامی" منظر عام پر آیا، جس نے شروع ہی سے اسلامی عربی صحافت کے سامنے صحافت کا ایک نیا نمونہ پیش کیا، عالم اسلامی کے ابھرتے نوجوانوں نے اسی کو اپنے دل کی آواز سمجھا، اسی کی روشنی میں افکار سازی کی، اسلامی تحریک کو اس سے غذا ملی، اور جدید اسلامی تحریک اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا یہ موثر ترجمان بن گیا۔

عالم اسلامی کے موجودہ مشہور اور کثیر الاشاعت اسلامی جرائد و مجلات "البعث الاسلامی" کے بعد وجود میں آئے اور "البعث الاسلامی" کی سبقت اور اہمیت کے اعتراف کے ساتھ اس سے استفادہ کیا، آج بھی اس کا شمار بڑے موقر علمی اور فکر انگیز اسلامی مجلات میں کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے چوبیس سال آب و تاب کے ساتھ اسلامی صحافت میں موثر رول ادا کرنے اور اپنے پیغام کو اس نئے سال میں نشاط و خروش سے جاری رکھنے پر ہم اسکو مبارکباد دیتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اسلام کی یہ خدمت ہمیشہ جاری رہے۔

کچھ اس انٹرویو کے بارے میں

قاہرہ میں ساڑھے چار سال سے زائد گذارنے کے بعد جب میری واپسی ہندوستان ہوئی تو اس وقت پارلیمانی الکشن کی سرگرمی عروج پر تھی، رائے بریلی اپنی مرکزیت کی بنا پر توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا، سیاسی پارٹیوں کے لیڈر اور ان کے نمائندوں کی آمد و رفت کا سلسلہ شب و روز جاری تھا۔ مختلف اضلاع سے بھی لوگ مولانا کے پاس آرہے تھے خطوط کے ذریعہ بھی ان کی رائے الکشن کے بارے میں دریافت کی جارہی تھی، اس موقع پر مولانا نے ایک عمومی بیان اخبارات میں شائع کرادیا تھا لیکن استفسارات کا سلسلہ برابر جاری رہا، کچھ غلط فہمیاں بھی پھیلائی گئی تھیں، اسی وقت ایک انٹرویو کا خاکہ ذہن میں آیا تھا مگر بات رہ گئی، انتخابات کے بعد ہی فیصل ایوارڈ کا اعلان ہوگیا، مولانا کی ڈاک دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ لوگوں کا ردعمل اس سلسلہ میں ملا جلا رہا، اگرچہ مولانا نے اس انعامی رقم سے ذاتی یا جماعتی تعلق کسی درجہ کا بھی نہیں رکھا لیکن بہت سے لوگوں کے حلق سے فیصل ایوارڈ ابھی تک نہیں اترا، استفسارات اور طنز و تعریض کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ یہ سوال اگرچہ ذاتی نوعیت کا تھا مگر مولانا نے روایتی بشاشت اور کسی قدر تفصیل سے اس کے پس منظر پر روشنی ڈالی۔

اس انٹرویو کا آخری جزو مولانا کی کتاب "عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح" سے متعلق ہے۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی اس وقت راقم سطور قاہرہ میں تھا، اس لئے کتاب پڑھ کر کسی قدر حیرت ہوئی کہ آخر اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی اور اسکے اسباب و محرکات کیا تھے —— لیکن ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس موضوع کو چھیڑا جائے اس لئے کہ مولانا کا ذہن و مزاج جواب الجواب کا نہیں اور نہ وہ اپنے افکار و خیالات میں روز روز ترمیم و تبدیلی کرتے ہیں، اس کی شہادت مولانا کی تصنیفات سے بھی ملتی ہے۔ لیکن اس کی تقریب سہ روزہ دعوت میں شائع ایک تقریری رپورٹ نے پیدا کردی جس کی وجہ سے استفساری خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ ان سوالات کے علاوہ ایک اہم سوال ایرانی انقلاب کے بارے میں ہے جس کے متعلق رائے قائم کرنے میں لوگوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ مولانا کے سامنے اس سوال کو لانا یوں بھی ضروری تھا کہ ان کی نظر قوموں کے عروج و زوال پر بہت گہری ہے۔

امید ہے کہ یہ انٹرویو دلچسپی اور توجہ سے پڑھا جائے گا۔

تعمیر حیات آپ کی آواز ہے، جو ہندوستان کے کونہ کونہ اور بیرون ہند پاکستان، جنوبی افریقہ، لندن، ری یونین، ملیشیا، بنگلہ دیش، سعودی عرب، کویت، متحدہ عرب امارات، عمان، ایران، مصر، شام، اردن، یوگنڈا، نائجیریا، الجزائر، لیبیا تک گونجتی ہے، آپ اس آواز کو زیادہ سے زیادہ دوستوں تک پہنچائیے۔

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ سے کم پرچوں پر ایجنسی نہیں دی جائے گی۔

۲۔ فی کاپی دو روپیہ کے حساب سے زر ضمانت داخل کرنا ہوگا جو ایجنسی ختم ہونے کی صورت میں واپس کردیا جائے گا۔

۳۔ ہر ماہ بل کی ادائیگی لازم ہے، عدم ادائیگی کی صورت میں زر ضمانت سے رقم وضع کرکے ایجنسی بند کردی جائے گی۔

۴۔ پانچ سے ۵۰ پرچوں تک ۲۵٪ پچاس سے زائد پر ۳۳٪ کمیشن دیا جائے گا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے

ایک اہم انٹرویو

از: —— رشید الحفیظ ندوی (مدیر تعمیر حیات)

مولانا! مجھے اس کا پورا احساس ہے کہ آپ کا وقت اور آپ کے تصنیفی مشاغل کتنے قیمتی اور مفید ہیں اور آجکل آپ کس درجہ ان میں منہمک ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ کا تھوڑا سا وقت انٹرویو کے لئے لینے کی جرأت کر رہا ہوں، بہت سی گرہیں ایسی ہوتی ہیں جو صرف انٹرویو میں کھل سکتی ہیں اور اس کے ذریعہ بہت سی ضروری باتیں، جن کی شاید برسوں میں نوبت نہ آتی، کاغذ کی سطح پر آجاتی ہیں، آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے فروری ۱۹۷۰ء میں آپ سے ایک اہم انٹرویو ندائے ملت کے لئے لیا تھا، جس میں ملی مسائل اور میدانی جدوجہد میں آپ کی دلچسپی کی تاریخ اور اس کے محرکات، مسلم مجلس مشاورت کے قیام کا پس منظر اور جن مراحل سے وہ گذری اس کی مختصر معلومات افزا روداد آگئی تھی اور وہ انٹرویو بڑی توجہ اور دلچسپی سے پڑھا گیا تھا اور اس سے خود آپ کی زندگی، مزاج و مذاق اور جذبات پر بڑی روشنی پڑتی تھی، اس طرح کے انٹرویو کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے تھا مگر میں اس کے بعد مصر چلا گیا جہاں چار سال سے زائد میرا قیام رہا، اس عرصہ میں جہاں تک مجھے علم ہے آپ کا ایک ہی اہم انٹرویو شائع ہوا جو "پیام انسانیت" کی تحریک سے متعلق تھا اور مولانا اسحٰق جلیس ندوی مرحوم کا مرتب کیا ہوا تھا جو علٰحدہ رسالہ کی شکل میں شائع ہوگیا ہے اور جس نے اس تحریک کی وضاحت اور غلط فہمیوں کے رفع کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اور وہ پیام انسانیت کے لٹریچر میں ایک اہم اور بنیادی اضافہ ہے۔

آپ اجازت دیں تو میں وہ سوالات پیش کردوں جو میں نے ازراہ احتیاط نوٹ کر لئے ہیں، ان میں بعض سوالات سیاسی نوعیت کے ہیں، بعض دینی و علمی نوعیت کے اور بعض ذاتی، لیکن ہیں سب ضروری، اور معاف فرمائیں آپ کی ذات بھی تو ایسی ہی رنگارنگ اور مختلف الجہات ہے، مجھے اس موقع پر قاضی محمد عدیل عباسی صاحب مرحوم کا فقرہ یاد آیا جو شاید کسی تبصرہ میں انکے قلم سے نکلا تھا کہ "مجھے اس پر تعجب آتا ہے کہ ایک ہی قلم سے "ارکان اربعہ" اور "نقوش اقبال" کیسے نکلی"۔

ج۔ بسم اللہ! جس انٹرویو کی تمہید اتنی طویل اور "عالمانہ" ہے، خدا خیر کرے اس کے سوالات کیسے ہوں گے۔

س: معاف فرمائیے گا، پہلی بات یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ پارلیمنٹ کے گزشتہ الکشن میں اگرچہ آپ نے کسی پارٹی کی غیر مشروط تائید و حمایت نہیں کی تھی، بلکہ جیسا کہ مجھے ہندوستان آکر معلوم ہوا، آپ نے کچھ اس طرح کا بیان دیا تھا کہ امیدواروں کی محض صفات اور ان کی افادیت و خلوص کی بنا پر حمایت کی جائے، مگر اس زمانہ میں آپ کے جذبات لوگوں سے چھپے نہیں رہے تھے اور اتنی بات سب کو معلوم تھی کہ جس پارٹی اور اس کے لیڈر کی مطلق العنانی غیر جمہوری طرز عمل اور بعض ایسے اقدامات کا تجربہ ہوچکا ہے جو انسانی و اسلامی جذبات اور شخصی آزادی کے منافی تھے اور لوگ اس دور میں تشدد، خانہ ویرانی بلکہ خانہ براندازی کا شکار ہوچکے ہیں، اس کی حمایت نہ کی جائے، لیکن ریاستی مجالس قانون ساز (اسمبلیوں) کے انتخابات میں آپ نے کوئی دلچسپی نہیں لی اور آپ نے اپنے کسی رجحان اور خیال کا اظہار نہیں فرمایا، حالانکہ آپ اس پوری مدت میں سب سے اہم حلقہ انتخاب (رائے بریلی) اور لکھنؤ ہی میں رہے؟

ج: جی ہاں، آپ کا یہ مطالبہ بر حقیقت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ کے الکشن کا نتیجہ میرے لیے بڑا ہمت شکن اور مایوس کن تھا، اس سے کھلے طریقہ پر اس کا اظہار ہوا کہ ہمارے عوام میں (بلکہ سچ پوچھیے تو اکثر خواص میں بھی) نہ سیاسی شعور ہے نہ اخلاقی ضمیر، ان میں سے اگر ایک چیز بھی ہوتی تو مایوسی کی کوئی وجہ نہ تھی، کسی ملک و قوم کو سیاسی شعور تھامتا ہے، کسی کو اخلاقی حس اور بیدار ضمیر، مگر جہاں دونوں کا فقدان ہو اس کا (اردو محاورہ کے مطابق اگرچہ یہاں بے محل ہے) خدا ہی حافظ ہے۔ شاید آپ کی نظر سے میرا وہ مضمون نہیں گذرا جو میں نے انتخابات کے شروع ہونے سے چند دن پہلے ملک کی موجودہ تشویشناک صورت حال پر لکھا تھا، جس میں میں نے الکشن کے موجودہ نظام کی بنیادی خامیاں بیان کی تھیں اور سہ روزہ "دعوت" میں شائع ہوا تھا، میں اب بھی اسی خیال پر قائم ہوں، بہر حال پارلیمنٹ کے الکشن کے نتائج نے (جو اکثر لوگوں کے لئے خلاف توقع تھے) مجھے اگر مایوس نہ کیوں دل شکستہ ضرور کیا اور پوری صورتحال، عوام کی بے حسی و بے ضمیری، ملک کی تیزی سے گرتی ہوئی اخلاقی طاقت، دولت و قوت کی اندھی پرستش (جسے کو میں اپنی تقریروں میں "چڑھتے سورج کی پوجا" کے الفاظ سے ادا کرتا رہا ہوں) اجتماعی مفاد پر ذاتی مفاد کو ترجیح دینے کی عادت نے غور کرنے پر مجبور کردیا اور اس سے میری نظر میں "پیام انسانیت" کی تحریک اور جد و جہد کی ضرورت و اہمیت اور واضح ہوگئی۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ اس بارہ میں کسی سے کم نہیں، بلکہ ان کے سلسلہ میں سیاسی بے شعوری اور اخلاقی بے ضمیری کے ساتھ ایک اور جملہ کا اضافہ کروں گا اور وہ ہے "دینی بے حمیتی" انھوں نے اس سیاسی اور بین الاقوامی سیاق و سباق کا بھی ذرا لحاظ نہیں کیا جس کا خود عالم اسلام سے گہرا تعلق ہے اور جس میں یہ الکشن ہو رہا تھا اور جس کا نتیجہ اب وہ اپنے ملک کی افغانستان کے بارہ میں کمزور پالیسی کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔

س: آپ نے افغانستان کا نام لیکر ایک سوال کا اضافہ کردیا جو میری فہرست میں نہ تھا، افغانستان کے بارہ میں آپ کے جذبات کا اندازہ تو اسی سے ہوتا ہے کہ آپ نے فیصل ایوارڈ کی نصف رقم افغانی پناہ گزینوں اور مصیبت زدوں کے لئے مخصوص کردی، پھر ۲ مارچ کو گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ کے جلسہ میں میں نے آپ کی تقریر سنی تھی، لیکن اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ تازہ واقعات کی روشنی میں آپ کہاں تک پر امید ہیں؟

ج: حقیقت میں افغانی مجاہدین نے پچھلی نصف صدی کی تاریخ میں، جس میں نصف درجن یا اس سے زائد مشرقی و اسلامی ملک بلاواسطہ یا بالواسطہ کمیونزم کے توسیع پسند اور جارحانہ مقاصد کی زد میں آئے۔ مقابلہ، شجاعت اور خودداری کی ایک بالکل نئی مثال قائم کی ہے، جس کا افسوس ہے عرب ممالک بھی کوئی ثبوت نہیں دے سکے افغانی قوم نے اپنے اجتماعی فیصلہ اور اپنی قومی خودداری کا ایسا روشن ثبوت پیش کیا ہے جس کی قدر ہر صاحب ضمیر اور خوددار انسان کو کرنی چاہئے، اور جس کی موجودگی میں کوئی ملک اور قوم ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ طویل مدت

انتخابات میں عوام و خواص نے سیاسی بے شعوری اور مسلمانوں نے دینی بے حمیتی کا مظاہرہ کیا ہے۔

افغانیوں نے قومی خودداری اور شجاعت و بہادری کی تاریخ میں ایک نئی مثال قائم کی ہے۔

کے لئے بھی غلام نہیں رہ سکتی۔

ہماری تمنا ہے کہ روس (جس کو مظلوم و کمزور قوموں اور ملکوں کی ہمدردی کا دعویٰ ہے) حقیقت پسندی اور سیاسی دانشمندی سے کام لے اور اس "کرہ کنندن و کاہ برآوردن" کے سلسلہ کو زیادہ دن قائم نہ رکھے، خدا کرے اس سلسلہ میں ان ملکوں کی مساعی (جن میں خود ہمارا ملک بھی شامل ہونے کا اعلان کرتا ہے) بار آور اور نتیجہ خیز ثابت ہوں جو روسی فوج کے واپس جانے کے لئے کر رہے ہیں۔

اسلام کے نام پر ایران میں جو انقلاب کیا گیا ہے اسکی ذمہ داریاں بہت عظیم ہیں

س: میری یادداشت میں ایک سوال ایران کے بارے میں ہے اور افغانستان کے بعد اور بھی اس کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے، جہاں تک مجھے معلوم ہے، آپ نے ایران کی موجودہ صورت حال پر ابھی تک کوئی اظہار خیال نہیں فرمایا، آپ کہاں تک وہاں کے حالات سے مطمئن ہیں، یا کہاں تک غیر مطمئن؟

ج: یہ سوال ذرا نازک، پیچیدہ اور عربی کی تعبیر کے مطابق "محرج" یعنی نزاکت اور پیچیدگی میں مبتلا کرنے والا ہے، زیادہ تفصیل سے تو اس وقت کہنے کا موقع نہیں اور میں اس پوزیشن میں بھی نہیں ہوں کہ کوئی بات پورے وثوق اور ذمہ داری سے کہہ سکوں، نہ مجھے ایران کے جشن انقلاب کے موقعہ پر حکومت ایران کی طرف سے دعوت موصول ہوئی تھی لیکن میں اس وقت اپنے کو اس سفر پر آمادہ نہ کر سکا تھا اور ایرانی سفارت خانہ کے شدید اصرار پر میں نے مولانا ابو العرفان صاحب ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء) کو اپنی جگہ پر بھیج دیا تھا اور ان سے وہاں کے تازہ حالات معلوم ہوئے تھے، لیکن ع

"شنیدہ کے بود مانند دیدہ"

میں خود جاتا تو اس کی بات الگ تھی۔

کسی ایسے ملک کے بارے میں جو نئے مسائل و مشکلات سے دوچار ہو اور خون کے دریا سے نہا کر نکلا ہو کوئی بات کہنا بڑی ذمہ داری کی چیز ہے، اور اس کا غلط فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے، اس لئے میں اس موقعہ پر کسی قدر احتیاط و اختصار سے کام لوں گا اور صرف اتنا کہوں گا کہ اسلام کے نام پر جو انقلاب کیا گیا ہے اسکی ذمہ داریاں بہت عظیم ہیں، قیادت و حکومت کا ہر فعل اسلام کے حساب میں محسوب ہوگا اور اس سے دنیا یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ اسلام کے ذریعہ جب انقلاب آتا ہے اور اس کی بنیاد پر جب کوئی حکومت قائم ہوتی ہے تو وہ ایسا کرتی ہے اور وہ اسلام کا قانون ہے، اس لئے ایران کے قائدین کو (جنھیں خوش قسمتی سے علمائے دین پیش پیش ہیں) اس کا ہر وقت لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس سے اسلام اسکے اخلاقی تصورات و تعلیمات اور اس کے مزاج و اقتدار کے بارے میں کوئی غلط تصور یا تاثر نہ قائم ہو، اور وہ بجائے نیک نام اور ہمت افزا ہونے کے بدنام اور ہمت شکن نہ ہو، پھر یہ کہ اس کی کسی غلطی، ایجا ضد یا ناعاقبت اندیشی سے ہمسایہ اسلامی ممالک (جن میں خود جزیرۃ العرب، مرکز اسلام اور خلیج کی عرب ریاستیں ہیں) کسی شدید خطرہ سے دوچار اور کسی مصیبت کا شکار نہ ہوں جس سے یہ انقلاب "واثمهما اكبر من نفعهما" کا مصداق بن جائے۔

س: ایک دلچسپ سوال کرنے کو جی چاہتا ہے، ہر دور میں عالم اسلام کی ایک نہ ایک شخصیت، جو کسی خلاف اسلام تحریک یا خیال کی علمبردار، لادینیت، الحاد یا غالی قوم پرستی کا نشان بن گئی تھی یا اس کے افکار میں کوئی نمایاں "زیغ وضلال" (کجی اور گمراہی) پائی جاتی تھی۔ آپ کی مخالفت و تردید کا نشانہ بنی رہی اور آپ نے اس سے شدید بعد اور انقباض کا اظہار کیا ہے، میرے ہوش سے پہلے (جیسا کہ میں نے سنا ہے اور آپ کے مضامین میں دیکھا ہے) آپ کو کمال اتاترک سے شدید اختلاف رہا ہے اور آپ اس کو اپنے عصر کا سب سے بڑا فتنہ سمجھتے رہے ہیں، ۱۹۵۶ء میں جب آپ ترکی کی سیاحت سے واپس آئے اور آپ نے اپنے خیالات و مشاہدات کا اظہار کیا اور کمال کے بارے میں ترکی کے اسلام پسند اور غیور مسلمانوں کی رائے ظاہر کی تو کمال کے حامیوں کو جو صحیح حالات سے بے خبر تھے اور جن کی معلومات تحریک خلافت کے زمانہ تک محدود تھے سخت ناگواری ہوئی لیکن آپ نے اس کی پروا نہیں کی، پھر مصر میں قومیت عربیہ اور اشتراکیت علیہ کا دور آیا، اور جمال عبد الناصر عربی قیادت کے اسٹیج پر نمودار ہوئے اور سارے عرب پر ان کا جادو چل گیا، اس وقت ایسا محسوس ہوتا تھا اور یہ میرے شعور کا زمانہ ہے) کہ ساری دنیا ایک طرف ہے اور آپ ایک طرف ہیں، آپ نے (مصر کو چھوڑ کر) متعدد عرب ممالک کے اہم اجتماعات میں اس کے خلاف ایسی سخت تقریریں کیں جن کو آج "عالم عربی کا المیہ" میں پڑھ کر تعجب ہوتا ہے، ہندوستان میں ندوۃ العلماء کی عربی صحافت نے اس کے خلاف ایسا محاذ قائم کیا جس سے جمال کے حامی چیخ اٹھے، بالآخر آپ کی فراست صحیح نکلی اور بقول اقبال ع

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے

مسلمانوں اور عربوں کو بیت المقدس سے بھی ہاتھ دھونا پڑا اور "قضیۂ غربیہ" سے بھی، اب میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس وقت آپ کے اس "بغض فی اللہ" کا نشانہ کون ہے؟

ج: آپ نے بڑا اچھا سوال کیا اور داغ کہن تازہ کر دئیے، اس وقت مجھے سب سے زیادہ بعد اور انقباض لیبیا کے صدر معمر القذافی سے ہے، مجھے شروع سے ان سے عدم مناسبت تھی، دو مرتبہ انھوں نے مجھے خصوصی دعوت دی اور میں نے معذرت کی۔ آخری بار رابطہ عالم اسلامی کے علماء کے اس وفد میں مجھے جانا تھا جو "سنت" کے موضوع پر ان سے گفتگو کرنے والا تھا لیکن میں نے عین وقت پر معذرت کر دی، بعد میں وہ لوگ ملے جو اس وفد میں گئے تھے، انھوں نے کہا کہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ نہیں گئے، قذافی صاحب کا ردعمل اور گفتگو نہایت نامناسب اور تکلیف دہ تھی، اب خود آپ نے "تعمیر حیات" کے ۱۰ جون سنہ کے شمارہ میں ان کے سرکاری ترجمان "الزحف الاخضر" کا جو اقتباس نقل کیا ہے اور جس میں صاف صاف خدا کی شان میں گستاخی اور بدتمیزی کی گئی ہے، اس نے تو حد کر دی، مجھے بعض ذمہ دار

قذافی کے دماغی توازن اور ہوش و حواس کی سلامتی کے بارے میں شبہ ہے۔

حضرات سے جو وہاں یونیورسٹی میں پروفیسر رہے ہیں اور جو قریب سے ان کو جانتے ہیں ان کے ایسے خیالات و حالات کا علم ہے جن سے ان کے دماغی توازن اور سلامتی ہوش و حواس کے بارے میں شبہ ہوتا ہے، افسوس ہوتا ہے کہ سنوسی مجاہدین کے خون سے لالہ زار خالص اسلامی سرزمین امتحان و ابتلاء کے اس دور سے گذر رہی ہے۔

س: ڈرتے ڈرتے ایک بات پوچھنے کو جی چاہتا ہے لیکن، ع

کرہائے تو مارا کرد گستاخ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کی کتاب "عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح"، آپ کے مزاج اور آپ کے دوسرے تصنیفی و تحریری کاموں سے میل نہیں رکھتی، اس کی تصنیف میں کوئی قابل احترام اشارہ شامل ہے، اس لئے کہ آپ کے تعلقات شروع سے جماعت والوں سے دوستانہ و برادرانہ رہے ہیں اور ملی مسائل میں آپ نے ان کے دوش بدوش کام کیا ہے اور اب بھی آپ ان سے کھلے دل سے ملتے ہیں، بعض جلسوں کی اخباری رپورٹوں سے تو ان کے بارے میں آپ کے نرم

دین اور آخرت کا معاملہ بڑا نازک اور اہم ہے اور خدا اور رسول خدا کے سوا کوئی معصوم عن الخطا نہیں

گوشہ (soft corner) کا پتہ چلتا ہے، کیا آپ اس پر کچھ روشنی ڈالیں گے؟

ج: سوال تو آپ نے بڑا نازک کیا ہے، لیکن شاید اس تقریب سے بعض غلط فہمیوں کے رفع ہونے اور بعض ضروری پہلوؤں کے واضح ہونے کا موقع ملے۔

آپ مجھ سے کسی قدر واقف ہیں اور لکھنے پڑھنے کے کاموں میں آپ نے میری مدد بھی کی ہے، آپ کو معلوم ہے کہ میں کسی موضوع پر اسی وقت قلم اٹھاتا ہوں جب اس کی

ضرورت و افادیت کا مجھے پورے طور پر احساس ہو اور وہ مجھ پر طاری ہو جائے، فرمائشی کام مجھ سے نہیں ہوتے، یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ جماعت کے بنیادی خیالات اور مولانا مودودی مرحوم کے افکار و مضامین پر دینی حلقوں کی طرف سے تنقید کا سلسلہ سالہا سال سے جاری ہے، اور تنقید کرنے والوں میں متعدد ایسی شخصیتیں شامل ہیں جن کا میں شروع سے احترام کرتا ہوں اور جن کے خلوص و للہیت کا دل سے قائل ہوں، میرے ان سے نیازمندانہ تعلقات بہت قدیم ہیں، لیکن میں نے اتنی تاخیر سے اس موضوع پر قلم کیوں اٹھایا اور میرا طرز، میری گرفت اور میرا Approach ان تنقیدات اور ناقدین سے بنیادی طور پر کیوں اتنا مختلف ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ میں کچھ عرصہ سے خالص علمی، دینی اور تعمیری انداز فکر میں جماعت کے محور فکر اور اس کی اساس پر اپنے خیالات اور مطالعہ و تجربات کا نچوڑ پیش کرنا، اور مخلصانہ و دوستانہ طریقہ پر اپنے اندیشوں اور خطرات کا اظہار کرنا چاہتا تھا، شروع سے میرا مرکز توجہ مولانا کی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" تھی، میرا پختہ خیال تھا اور ہے کہ اس سے دین کا فہم و ادراک اور سعی و جہد، دین کی اس حقیقی پٹری اور شاہراہ سے۔ جس پر انبیاء علیہم السلام اپنے متبعین کو ڈالنا چاہتے ہیں اور جس سے عبد و معبود کا مطلوب اور دنیا و آخرت میں مفید اور ضروری تعلق قائم ہوتا ہے، اور پوری زندگی میں محبت الٰہی اور ایمان و احتساب (کسی عمل کو خدا کے وعدوں پر یقین اور اسکے اجر و ثواب کی لالچ میں کرنا) جذبہ عبادت اور فکر آخرت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ہٹ کر سیاست و تنظیم، حصول اقتدار اور مختصراً "مادیت کی پٹری اور شاہراہ پر پڑ جاتی ہے، نیز اس سے قرآن مبین کی قدرت تفہیم اور امت داعی کی صلاحیت (جو مسلسل کئی صدی تک ان بنیادی قرآنی اصطلاحات کے فہم سے قاصر اور ان کے بارے میں تاریکی میں رہی) دونوں مشکوک ہو جاتی ہیں، میرے نزدیک یہ نتیجہ جو کتاب کے مطالعہ سے نکلتا ہے، بڑا سنگین اور دور رس نتائج کا حامل ہے۔

میں بہت دنوں سے اس موضوع پر لکھنا چاہتا تھا اور مجھے امید تھی کہ یہ ایک ایسی جماعت کی عظیم خدمت ہوگی جس میں بڑی تعداد میں طالب حق، فہیم، مخلص اور ایثار پیشہ صاحب صلاحیت تعلیم یافتہ نوجوان شامل ہیں، لیکن میں اس پر قلم اٹھانے سے پہلے مولانا کی دوسری کتابوں اور رسائل و مضامین کا از سر نو مطالعہ کر لینا چاہتا تھا لیکن ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۰ء تک (جب تک میری آنکھ کا آپریشن نہیں ہوا) میں براہ راست لکھنے پڑھنے سے تقریباً معذور تھا دوسرے سے پڑھوا کر سننے میں بڑا وقت صرف ہوتا ہے اور پھر بھی کمی رہ جاتی ہے جب مجھ میں مطالعہ اور نوٹ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی تو میں نے جہاں تک ممکن ہوا مولانا کا لٹریچر جمع کر کے اس کا مطالعہ شروع کیا، اس کے بعد میں نے مسلسل کئی روز استخارہ کیا اور پہلی مرتبہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے اس کام کے شروع کرنے کے واضح اشارات ملے، میں نے رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ (اگست ۱۹۷۸ء) میں بنام خدا اس کام کو شروع کر دیا، لکھنے کے بعد میں نے بار بار نظر ڈالی اگر کوئی جملہ ایسا قلم سے نکلا تھا جو چبھتا ہوا اور طنزیہ تھا تو اگرچہ اس سے زور پیدا ہوتا تھا اس کو اس خیال سے نکال دیا کہ وہ مقصد میں حارج ہوگا، خدا شاہد ہے کہ اپنے نزدیک کوئی بددیانتی اور جان بوجھ کر قطع و برید سے کام نہیں لیا اور میں اب بھی پوری کتاب کے مضامین و منقولات و اقتباسات اور ان سے استخراج کئے ہوئے نتائج کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار ہوں اور اپنے اس کام پر کسی قسم کی شرمندگی یا غلطی محسوس نہیں کرتا بلکہ اس کو جماعت کی خدمت، بلکہ دین کی خدمت سمجھتا ہوں، میں اس کو ایک ایسی اصولی اور فکر انگیز کتاب سمجھتا ہوں جس کا مطالعہ جماعت سے باہر کے لوگوں کے لئے بھی مفید اور چشم کشا ہے، اسی بناء پر میں نے عربی میں بھی اس کو منتقل کیا[1]، اس میں مفید اضافے کئے پھر اردو کا دوسرا اڈیشن اس عربی ترجمہ کی روشنی میں اضافے کے ساتھ شائع کیا۔ اور اب بھی جماعت کے مخلص دوستوں کو (جن میں بحمد اللہ بڑی تعداد میں طالب حق اور طالب خدا افراد ہیں) مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ دین و آخرت کا معاملہ بڑا نازک اور اہم ہے اور رسول خدا کے سوا کوئی معصوم عن الخطا نہیں اور خود مولانا نے بھی اپنے مکتوب میں

میں نے فیصل ایوارڈ کیوں قبول کیا؟

صاف طریقہ پر لکھا ہے کہ "میں اپنے کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتا"۔

لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اس کتاب پر جماعت کا عمومی ردعمل میری توقع اور جماعت کے دستور کی ہدایات اور اسکی روح سے بہت مختلف تھا اور اس کو محض ایک مخالفانہ و حریفانہ کوشش پر محمول کیا گیا، اور اس پر بہت سے مصلحین و قائدین کی ان کوششوں کی ناکامی کی وجہ معلوم ہوئی جو وہ جماعتی عصبیت اور شخصیت پرستی کے خلاف وقتاً فوقتاً کرتے رہے ہیں اور اندازہ ہوا کہ غلو و مبالغہ اور افراط و تفریط میں فطرت انسانی کے لئے کتنی کشش اور جاذبیت ہے

پندرہویں صدی ہجری میں دعوتی کام کرنے والوں کے لئے ایک گراں قدر علمی تحفہ

الا من عصم ربك وقليل ما هم

باقی میرا یہ مزاج ہے کہ میں ہمیشہ حمایت و مخالفت، تعریف و تنقید دونوں میں اعتدال و توازن اور انصاف ملحوظ رکھنے اور حتی الامکان ولا يجرمنكم شنآن قوم على ان لا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوى پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں اس لئے اکثر ان دونوں فریقوں کو راضی نہیں رکھ سکتا جو ہر چیز میں غلو و مبالغہ پسند کرتے ہیں۔

جہاں تک میری تقریروں کی اخباری رپورٹوں کا تعلق ہے، تو میں اس کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ میری ہر تقریر کی رپورٹ کا صحیح اور مستند ہونا ضروری نہیں، اس میں دانستہ بددیانتی بھی ضروری نہیں سیاق و سباق کے پورے طور پر نقل نہ کرنے اور جس تناسب سے باتیں کہی گئی ہیں ان کو قائم نہ رکھنے سے بات کچھ کی کچھ ہو جاتی ہے، دراصل کی ایک تقریر کی رپورٹ میں یہی بات نظر آتی ہے، میں صرف ان خیالات کی ذمہ داری لے سکتا ہوں جو میرے کسی تحریری مضمون یا بیان میں آئے ہوں۔

س: ایک سوال بالکل ذاتی نوعیت کا ہے لیکن جس شخصیت کے ساتھ دعوت و پیغام مربوط ہو جائیں اور وہ دوسروں کو عملی اخلاقی اقدار اور قربانی و ایثار کی تعلیم دیتی ہو اور بعض اوقات دوسروں کا احتساب بھی کرتی ہو اس کے ہر عمل اور اقدام کے بارے میں اس کے ناقدین اور نیازمندوں دونوں کو اپنے طرز پر پوچھنے کا حق ہے۔

ج: آپ کے سوال کی تمہید سے تو میں ڈر گیا، لیکن آپ نے اس کے ایسے قوی وجوہ و دلائل بیان کر دئیے ہیں کہ میں اب اس سے گریز نہیں کر سکتا، اس لئے بے تکلف اپنا سوال سامنے لائیے۔

س: آپ کا فیصل ایوارڈ کا بے تکلف قبول کر لینا، پھر اس کی جو رقم ملی اس کے لئے جو جلسے ہوئے ان میں آپ کا شریک ہونا بہت سے ان لوگوں کے سمجھ میں نہیں آیا جو آپ کے مزاج و مذاق اور خاندانی رجحانات سے واقف ہیں اور جن کے یہ بھی علم میں ہے کہ آپ نے دو بار حکومت ہند کے عربی کے اعزاز (ایوارڈ) کے قبول کرنے سے معذرت کی، اس سلسلہ میں اگر کوئی کڑی ہمارے علم میں نہیں ہے جس کی بناء پر آپ نے اس ایوارڈ کے بارے میں ادنیٰ تامل و معذرت سے کام نہیں لیا اور آپ اس کا اظہار فرما سکتے ہیں تو ہم اسکے سننے کے مشتاق ہیں؟

ج: جی ہاں! آپ کا یہ سوال حق بجانب ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جب یہ سوال آپ کی زبان پر آ ہی گیا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اس طرز پر سوچنے والے اور بھی احباب ہونگے تو اب اس کا بقدر ضرورت جواب دینا میرے لئے ضروری ہو گیا ہے اور شاید مفید بھی ہو۔

صورت حال یہ ہے کہ اگر اس ایوارڈ کے بارے میں عام حالات میں مجھ سے دریافت کیا جاتا اور میری منظوری و نامنظوری لی جاتی تو اغلب یہ ہے کہ میں معذرت کر دیتا اور اپنے سے بہتر کسی کا نام تجویز کرتا، لیکن پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے اس کا اس وقت علم ہوا جب اس کا عالمی پیمانہ پر اعلان ہو گیا اور میرے پاس مختلف بیرونی ممالک سے مبارکباد کے تار آئے، اس وقت اس کا مسترد کر دینا دینے والے ادارہ اور حکومت سعودیہ کے لئے ایک توہین آمیز عمل ہوتا اور میرے لئے آئندہ اس ملک میں دعوتی کام کرنے اور ذمہ داران حکومت کو مشورہ دینے کا موقعہ نہ رہتا جس کو میں اپنے تمام دعوتی کاموں اور مشغولیتوں پر ترجیح دیتا ہوں اور اپنی بڑی سعادت سمجھتا ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ اعلان حرم شریف کے نامبارک واقعہ کے پیش آنے کے بعد (دو مہینے کے اندر اندر) ہوا، اس واقعہ سے حکومت سعودیہ کی (جو خادم الحرمین الشریفین

[1] کسی عربی عبارت کے ترجمہ میں (جیسا کہ بعض ناقدین نے لکھا ہے) کوئی "تسامح" نہیں ہوا۔

اور مسلمانوں کی عزت و آبرو کا نشان ہے) اخلاقی پوزیشن متاثر ہوتی تھی اور بہت سے لوگوں کی طرف سے (جن کے احساسات اس بارے میں تیز تھے) نشانۂ ملامت و تنقید بنی ہوئی تھی، خود میں بھی وقتاً فوقتاً اس کے اعلیٰ ذمہ داروں کو بعض انتظامی و اخلاقی تربیتی و تعلیمی خامیوں اور اصلاح و ترقی کے بعض پہلوؤں کی طرف متوجہ کرتا رہتا ہوں اور اس سلسلہ کے مکاتیب و مضامین کا مجموعہ عربی میں "کیف ینظر المسلمون الی الحجاز وجزیرۃ العرب" اور اردو میں "حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب امیدوں اور اندیشوں کے درمیان" اس واقعہ سے کچھ پیشتر شائع ہوا تھا۔ اس صورت میں میرا انکار کرنا اور اس کو واپس کرنا، اس پر بے اعتمادی کے عمومی اعلان کے مرادف ہوتا اور اس کو نئے معنی پہنائے جاتے اور جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے میرے لئے وہاں کسی دعوتی و مشاورتی کام کا امکان ختم ہو جاتا اور میں وہاں کی زندگی اور اداروں سے (جن کا میں سالہا سال سے رکن چلا آ رہا ہوں) بالکل کٹ جاتا اور تھوڑی بہت خدمت کا امکان بھی جاتا رہتا جس کی توفیق کی توقع کی جا سکتی ہے اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ جہاں تک اس ایوارڈ کے معنوی و اخلاقی پہلو کا تعلق ہے اس کو شکریہ کے ساتھ قبول کر لوں اور جہاں تک اس کے مالی و مادی پہلو کا تعلق ہے اس سے کوئی ذاتی یا جماعتی سروکار نہ رکھوں، چنانچہ میں نے اسی مضمون کا ایک خط لکھا جس کو میرے نمائندہ ڈاکٹر مولوی عبد اللہ عباس ندوی نے اس تقریب میں پڑھ کر سنایا اور الحمد للہ اس نے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا اور بات خوبی کے ساتھ نبھ گئی۔

جہاں تک تہنیت و مبارکباد کے جلسوں میں شرکت اور ان سے خوشی و فخر حاصل کرنے کا تعلق ہے، تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ میں ضرور دو تین جلسوں میں شریک ہوا ہوں لیکن شرمندگی کے احساس کے ساتھ اور جیسا کہ دار المصنفین کے جلسہ اور محترمی سید صباح الدین عبد الرحمٰن ناظم دار المصنفین کے خطاب کے جواب میں میں نے کہا تھا "ایاز قدر خود را بشناس" کی کیفیت کے ساتھ۔ بلکہ میں نے دار المصنفین کے سپاس نامہ کے جواب میں "ایاز کی حقیقت" پر بھی روشنی ڈالی تھی اور اپنی علمی بے بضاعتی اور اپنی پرانی حالت کا نقشہ کھینچا تھا جب میں ۱۹۳۲ء میں اپنے استاذ محترم علامہ تقی الدین الہلالی کے خادم و رفیق کے طور پر شبلی منزل آیا تھا اور میں نے علامہ موصوف کے ذریعہ اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ مجھے جو نیر رفیق یا زیر تربیت لکھنے والے کی حیثیت سے قبول کر لیا جائے، لیکن اس وقت میں اس کا بھی اہل نہیں سمجھا گیا تھا میں نے وہاں یہ بھی کہا تھا کہ اس ایوارڈ سے میرا ایک بڑا نقصان ہو گیا وہ یہ کہ مرزا غالب کا جب یہ شعر پڑھتا تھا تو مجھے بڑا لطف آتا تھا اب وہ لطف جاتا رہا اور وہ شعر حسب حال نہیں رہا ؎

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہیں ہے مرے اشعار میں معنی نہ سہی

میں نے کہا تھا کہ اشعار کے بجائے میں انکار کہہ دیا کرتا تھا اور "نہ سہی" کہتے وقت ایک خاص زور اور خود اعتمادی پائی جاتی تھی افسوس ہے کہ اب اس لذت سے محروم ہو گیا، بمبئی کے جلسۂ مشاورت میں بھی میں نے یہ بات دہرائی تھی مجھے اندازہ نہ تھا کہ اس واقعہ کو اتنی اہمیت دی جائے گی اور بہت سے حلقوں اور لوگوں کی نگاہ میں اس اعلان کے ہوتے ہی میری "اہمیت" اتنی بڑھ جائے گی، اس سے اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ عام لوگوں کی نگاہوں میں اس طرح کے اعزازات کتنی بڑی سند کا درجہ رکھتے ہیں۔

بہر حال جو کچھ ہوا اس میں کسی ارادہ وسعی کو دخل نہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ نفس کے شرور و فتن سے محفوظ رکھے جس سے حفاظت فضل الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔

"وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی۔"

س: جی نے آپ کا بہت وقت لیا، اب صرف ایک سوال باقی ہے اس پر اس مکالمہ کو ختم کر دوں گا کہ پندرہویں صدی ہجری اب دروازہ پر آ گئی ہے، کیا آپ نے اپنے قارئین اور تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے کوئی نیا علمی تحفہ جس میں اس صدی میں کام کرنے والوں کے لئے رہنمائی ہو تیار کیا ہے؟

ج: جی ہاں! عنقریب میری کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" کا چوتھا حصہ جو حضرت مجدد الف ثانی کے تذکرہ پر مشتمل ہے پریس سے باہر آنے والا ہے میں سمجھتا ہوں کہ پندرہویں صدی کے لئے میری طرف سے بہترین تحفہ ہوگا، اس لئے کہ اس سے معلوم ہوگا کہ ایک مرد خدا نے ہزارۂ دوم کے شروع ہونے پر کیا انقلابی و تجدیدی کام انجام دیا اور وہ کن اصولوں اور طریق کار پر مبنی تھا کہ اس کو جو کامیابی حاصل ہوئی اس کی نظیر پچھلی اور اگلی صدیوں تک دور دور نہیں ملتی۔ بقول شاعر ؎

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

مولانا! ہم آپ کے بہت شکر گذار ہیں کہ آپ نے اس انٹرویو کے لئے اپنا قیمتی وقت عطا فرمایا اور مختلف ملی، ملکی اور اسلامی دنیا کے مسائل اور دوسرے نازک اور حساس موضوعات پر آپ نے کھل کر گفتگو کی اور ہمارے تمام سوالوں کے تشفی بخش جواب دینے کی زحمت فرمائی، واقعہ یہ ہے کہ بغیر اس کے انٹرویو کا مقصد پورا نہ ہوتا اور بہت سے حقائق سے پردہ نہ اٹھتا شاید اس کی نوبت ہی نہ آتی اگر انٹرویو نہ لیا جاتا۔

بقیہ صفحہ ۱۳

ممکن ہو وہ تعاون کریں، اور غیر مسلموں کی کم از کم یہ ذمہ داری ہے کہ انسانی ہمدردی، رائے کی آزادی، باعزت زندگی، آسمانی دین اور آسمانی کتابوں کی حفاظت، انسانی اخلاق و کردار، سچی قدروں اور وسیع انسانی برادری کی خاطر ان کی ہر ممکن مدد کریں، صحیح صورت حال واضح کریں، اور اس مسئلہ پر سنجیدگی سے سوچ بچار کریں۔

حافظ الاسد کی حکومت اپنی شاطرانہ چالوں سے صحافت پر اثر انداز ہونے میں بڑی حد تک کامیاب ہو گئی ہے، اس نے پوری دنیا کو یہ تصور دیا ہے کہ شام میں انتہا پسندوں کی ایک ٹولی ہے جو جماعت الاخوان المسلمین کے نام سے اپنے کو مشہور کرتی ہے، وہ حکومت کی بھوکی اور ہوس رانی کا شکار ہے، اسلامی انقلاب کا نام لے کر پورے ملک میں بدامنی پھیلانا چاہتی ہے، اس طرح کے اتہامات لگا کر اور انقلاب کو اخوانی تحریک کے افراد میں منحصر کر کے ان کے خلاف امن پسند انسانوں کے جذبات کو برانگیختہ کرنا چاہتی ہے، لیکن چھپانے کی ہزار کوششوں اور غلط بیانی کے خطرناک طریقوں کو استعمال کرنے کے باوجود عالمی پریس میں چھن چھن کر وہ مسموم لہریں پہونچ جاتی ہیں، جن سے سفاکوں اور خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک ماننے والوں کے قاتلوں نے شام کے حسین ملک کو جہنم بنا دیا ہے۔ تیمور کے گھر کی جس غیرت کے زوال پر اقبال نے حسرت و افسوس کا اظہار کیا تھا، آج وہ پھر جاگ اٹھی ہے، آج یہ غیرت مسلمانوں کے دلوں کو جھنجھوڑ رہی ہے، ایک نیا خون اور نیا جذبہ ہے جو اپنے جسم کی دھجیاں تو اڑوا سکتا ہے، جیل کی کوٹھریوں کے المناک عذاب اور وحشتناک سزاؤں سے سولی کے تختہ، تلوار کی دھار اور بندوق کی گولی تک، ہر حربہ کا مقابلہ کر سکتا ہے، سزاؤں کی کوئی قسم، دھمکیوں کو کوئی طریقہ کارآمد نہیں ہو سکتا، غیر انسانی اور جابرانہ طاقتوں نے ٹینکوں سے ان سرفروش مجاہدوں کو کچلا، ان کے گھروں پر بمباری کی، ان کے جگر پاروں کو زندگی سے موت کے گھاٹ اتار دیا، طاقت کا مجنونانہ استعمال کر کے دیکھ لیا اور بالآخر ناکامی کا سامنا کیا، کاش کہ وہ اور ان کی راہ پر چلنے والے بدمست حکمراں یہ سمجھ لیتے کہ طاقت سے کسی کو کچلا نہیں جا سکتا اور شریعت کو پس پشت ڈال کر حکومت نہیں کی جا سکتی، چند سال کی مہلت سے دھوکہ کھانا عقلمندوں کا کام نہیں اور دین و مذہب کے مقابلہ میں طاقت و قوت، اور جبر و تشدد کا استعمال کرنا تجربہ کاروں اور سیاستدانوں کا طریقہ نہیں —!!

بہترین چائے کا قابلِ اعتماد مرکز
عباس علاء الدین اینڈ کمپنی
نمبر ۴۴ حاجی بلڈنگ، ایس. وی. ڈی روڈ، تل بازار بمبئی ۳
اسپیشل مکسچر | کپ برانڈ
اسپیشل ممری | گولڈن ڈسٹ
ہوٹل مکسچر | فلاور بی، او، پی

TELEGRAM:-
CUP, KATTLY
PHONE No 332220

حقیقتِ صوم

علامہ سید سلیمان ندوی

ماہ صیام کی اصل حقیقت نزول قرآن کی یادگار، اور حامل قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ اور سنت مستحسنہ کی اتباع و تقلید ہے کہ ان ایام میں آپ اسی طرح غار حرا میں قیام فرماتے تھے، اور اسی اثنائے قیام میں وہ نامۂ خیر و برکت اور دستور ہدایت و قرآن ہمیں عنایت ہوا، جس سے ہم نے جسم کی زندگی اور روح کی تسلی پائی، پس یوم اکبر یعنی نزول قرآن جو لیلۃ القدر ہے، اسلام کی عید اکبر ہے اور حق ہے کہ تمام بندگان اسلام اور شیفتگان اسوۂ محمدیہ ان ایام مقدسہ میں وہ زندگی بسر کریں، جو قرآن کا مطلوب اور حامل قرآن کا نمونہ ہو،

قرآن مجید نے حکم صیام کے مرتبہ پر ہم کو تین نتائج کی اطلاع دی ہے۔

۱۔ لعلکم تتقون۔
(تاکہ تم متقی ہو)

۲۔ لتکبروا اللہ علی ما ھداکم
(تاکہ تم اس عطائے ہدایت پر خدا کی تکبیر و تقدیس کرو۔

۳۔ ولعلکم تشکرون
(اور تاکہ تم اس نزول خیر و برکت اور عطائے فرقان پر خدا کا شکر بجا لاؤ۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صوم کی حقیقت تین اجزاء سے مرکب ہے، اتقاء، تکبیر و تقدیس، اور حمد و شکر، پس جس طرح حقیقت مرکبہ کا وجود عین اجزاء کا وجود ہے کہ بغیر وجود اجزاء حقیقت معدوم اسی طرح صوم بغیر وجود اجزائے ثلاثہ مذکورہ معدوم و مفقود ہے،

اعمال انسانیہ کا وجود حقیقی ان کے نتائج و آثار کا وجود ہے، اگر نتائج و آثار وجود پذیر نہ ہوئے تو یہ نہ سمجھو کہ ان اعمال کا وجود تھا، اگر ہم دوڑتے ہیں کہ مسافت قطع اور منزل قریب ہو، لیکن ہم بھٹک کر دوسرے راستہ پر جا پڑتے ہیں، جس سے ہماری مسافت دور تر اور منزل بعید تر ہوتی جاتی ہے، تو ہماری سعی لاحاصل اور ہماری تگ و دو عبث ہے، اگر ایک طبیب مریض کے لئے دوا تجویز کرتا ہے، لیکن جس فائدے کے مرتب ہونے کی امید کرتا ہے، وہ مرتب نہیں ہوتا تو یہ سمجھنا چاہئے کہ دوا کا استعمال صحیح نہیں کیا گیا۔

پس صیام جو ہمارا علاج روحانی ہے اگر اس سے شفائے روحانی نہ حاصل ہو تو حقیقت میں وہ صیام نہیں فاقہ ہے اور ایسے صائم اور روزہ دار جن کے صوم میں اتقاء، تقدیس اور شکر کے عناصر ثلاثہ نہیں، وہ فاقہ کش ہیں، جن کی بھوک پیاس ایک پھول ہے، جس میں رنگ و بو نہیں، ایک گوہر ہے، جس میں آب نہیں، ایک آئینہ ہے اور ایک جسم ہے جس میں روح نہیں اور کون نہیں جانتا کہ ایک گل بے رنگ و بو، ایک گوہر بے آب، ایک آئینہ بے جوہر، ایک جسم بے روح بے حقیقت ہستیاں ہیں، جن کی کوئی قدر و قیمت نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے، جہاں فرمایا ہے:-

رُبَّ صائم لیس لہ من صیامہ الا الجوع، ورب قائم لیس لہ من قیامہ الا السھر۔ (رواہ ابن ماجہ)

(کتنے روزہ دار ہیں جن کو روزہ سے بجز گرسنگی کچھ حاصل نہیں اور کتنے تہجد گزار ہیں جن کی نماز تہجد سے بیداری کے سوا کچھ فائدہ نہیں۔

یہ کون لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے جسم نے روزہ رکھا، لیکن دل نے روزہ نہیں رکھا، ان کی زبان پیاسی تھی، لیکن دل پیاسا نہ تھا، پس رحمت کا کوثر ان کے لئے نہیں کہ پیاسے نہ تھے۔

ہمارے اوقات زندگی کی سب سے بڑی اور طویل تقسیم خود ہماری عمر ہے، اس کے ہر لحظہ میں ایمان باللہ باجار الرسول، ہر دن میں پانچ بار سجدۂ نیاز، ہر ہفتہ میں نماز جمعہ، ہر سال میں صیام رمضان و زکوٰۃ اور ساری عمر میں ایک بار زیارت مسجد خلیل اور ادائے نماز ابراہیمی فرض ہے۔

ہمارے سالانہ فرض دو ہیں، ایک جسمانی اور ایک مالی، فریضۂ مالی (زکوٰۃ) محدود و باوقات مخصوصہ نہیں ہے، لیکن فریضۂ جسمانی محدود باوقات ہے، تاکہ پہلے سے خدا کی مسکین مخلوق ہر ساعت اور ہر حالت میں متمتع ہوتی رہے، اور دوسرے سے وہ عام یک رنگی اور اظہار اجتماع و وحدت قلوب اجسام متصور ہے، جو ہر روز مساجد میں اور ہر سال ہر شہر کے کوچہ و بازار اور گھروں میں اور عمر میں ایک بار کوہ فاران کے دامن میں نظر آتی ہے۔

پس ہمارے سال کا ایک مہینہ ہماری زندگی کا ایک ایسا حصہ ہونا چاہیے جو منزہ جسم اور طہارت قلب کا کامل نمونہ ہو تاکہ ہمارا کامل سال منزہ اور طاہر ہو اور اس طرح ہماری کامل زندگی منزہ اور طاہر ہو، اسی لئے آنحضرت نے فرمایا ہے:-

من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔ (رواہ البخاری)

(جس نے رمضان کے روزے ایمان اور احتساب (نیکی) کے ساتھ رکھے، اس کے اگلے گناہ معاف ہوئے)۔

گناہوں کی معافی اور مغفرت کا حصول، تمام اعمال انسانیہ کا مقصود وحید اور تمام نیکیوں اور برکتوں کی اساس کار ہے، لیکن کیا جس نے حصول مغفرت اور گناہوں کی معافی کی امید دلائی اس نے یہ نہیں بتایا ہے کہ وہ مشروط بر ایمان و احتساب ہے۔

ایمان و احتساب کیا شے ہے؟ حقیقت صوم کے وہی عناصر ثلاثہ ہیں جن کی طرف کتاب عزیز نے اشارہ کیا ہے، یعنی اتقاء، تقدیس و تکبیر اور حمد و شکر۔

اتقاء کے لغوی معنی کسی چیز سے بچنے کے ہیں، لیکن اسلام کی اصطلاح میں اتقاء کے کیا معنی ہیں؟ تمام دنیاوی آلائشوں سے تمام انسانی کمزوریوں سے، تمام جسمانی خواہشوں سے اور تمام انسانی نجاستوں سے جسم و روح کا محفوظ رکھنا، یہی حقیقت و ماہیت صوم ہے، جس کے ساتھ دل سے تقدیس و تکبیر کی صدائے عزم و کوشش اور زبان پر حمد و شکر کی آواز بلند ہونی چاہیے تاکہ معتکف غار حرا کے اسوۂ حسنہ کا کامل اتباع ہو۔

تم سمجھتے ہو کہ آلودگی گناہ، آلائش ہوی اور ارتکاب عصیان و نجاسات نفسانی ناقض صوم نہیں، ممکن ہے کہ جسم کا روزہ نہ ٹوٹتا ہو، لیکن دل کا روزہ تو ضرور ٹوٹ جاتا ہے اور جب دل ٹوٹتا ہو تو جسم میں کیا رکھا ہے۔

الصائم فی عبادۃ من حین یصبح الی ان یمسی ما لم یغتب فاذا اغتاب خرق صومہ۔ (رواہ الدیلمی)

ترجمہ: روزہ دار صبح سے شام تک عبادت خدا میں ہے، جب کسی کی برائی نہ کرے اور جب وہ برائی کرتا ہے تو اپنے روزہ کو پھاڑ ڈالتا ہے۔

تم سمجھتے ہو کہ طہارت نفس، اطاعت ہوی اور عمل شر منافی صوم نہیں، لیکن میں تمہیں سچا سمجھوں یا اس کو (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو) جو کہتا ہے۔

لیس الصیام من الاکل والشرب انما الصیام من اللغو والرفث۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک والبیہقی فی السنن)

(روزہ کھانے پینے سے پرہیز کا نام نہیں ہے بلکہ لغو عمل شر سے پرہیز کا نام ہے)

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ قول زور، عمل بد اور طغیان قلب منافی صوم نہیں، لیکن میں کیا کروں کہ مخبر صادق کی وہ آواز سنتا ہوں جس کی میں تکذیب نہیں کر سکتا۔

من لم یدع قول الزور والجھل والعمل بہ فلا حاجۃ للہ ان یدع طعامہ وشرابہ۔ (رواہ البخاری والترمذی والنسائی وابن ماجہ واللفظ لہ)

(جو حالت صوم میں کذب و زور اور جہالت کے کام کو نہیں چھوڑتا، تو خدا کو کوئی ضرورت نہیں کہ روزہ دار اس کے لئے اپنا کھانا پینا چھوڑ دے)۔

پس اچھی طرح سمجھ لو کہ صوم کی حقیقت کیا ہے، وہ ایک حالت ملکوتی کے ظہور کا نام ہے، صائم کا جسم انسان ہوتا ہے، لیکن اس کی روح فرشتوں کی زندگی بسر کرتی ہے جو نہ کھاتے اور نہ پیتے ہیں، وہ تمام مادیات عالم سے پاک اور ضروریات دنیاوی سے منزہ ہیں، ان کی زندگی کا فقط ایک مقصود مطلب ہے، اطاعت اوامر الٰہی، اس لئے صائم دکھاتا ہے نہ پیتا ہے، وہ مادیات سے پاک اور ضروریات دنیاوی سے منزہ رہنے کی جہاں تک اس کی خلقت و فطرت اجازت دیتی ہے کوشش کرتا ہے۔

صائم مجسم نیکی ہے، وہ کسی کی غیبت نہیں کرتا، وہ کسی کو برا نہیں کہتا، وہ کسی سے جہالت نہیں کرتا، وہ بدی کا بدلہ نیکی سے دیتا ہے، وہ اس کا امتثال امر ہے جو کہتا ہے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم)

اذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابہ احد او قاتلہ فلیقل انی امرؤ صائم۔

(تم میں سے جب کسی کے روزہ کا دن ہو، تو نہ بدگوئی کرے، نہ شور و غل کرے، اگر اسے کوئی برا کہے یا اس سے آمادۂ شمشیر زنی ہو تو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔

اللہ اکبر وہ ہستیاں کہاں ہیں، جو تلوار کا وار روزہ کی سپر سے روکتی ہیں، اور وہ سپر ہے

(بقیہ صفحہ ۱۵ پر)

مذہب کی ضرورت کیوں؟

(ایک ریڈیائی تقریر)

از عبدالکریم پاریکھ صاحب ناگپور

بڑا اچھا اور بروقت سوال ہے۔ مذہب اور دین دھرم یہ نام اور ان کے پیچھے زندگی کی حقیقت، انسانیت کا مقام اور اس کی فضیلت تمام انسانوں کے لئے تو اہم ہے ہی لیکن ہمارے ملک ہندوستان کے لئے تو ان کی بڑی اہمیت ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان قدیم دور سے آجتک مذہب کا گہوارہ اور مرکز رہا ہے۔ یہاں پر الحاد اور بے دینی کو کبھی بھی پھیلنے کا موقع نہیں ملا۔ یہی وجہ ہے کہ عالمی مذاہب میں ہر مذہب کے لوگ ہمارے ملک میں پائے جاتے ہیں۔

لیکن ہر چیز جو پُرانے زمانے سے چلی آرہی ہو آج اس کی بھی ضرورت ہو ایسا ہر بات میں اصول بنا لینا قانون فطرت کے جہاں خلاف ہے وہاں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر چیز جو زمانہ قدیم سے ضروری ہو چھوڑنے اور ترک کردینے کی نہیں۔ بلکہ دیکھا یہ جانا چاہئے کہ آج بھی کیا دراصل اس کی ضرورت ہے اور اگر ضرورت ہو تو اس چیز کو یقیناً انسانیت کے لئے ایک نعمت ربانی سمجھنا چاہئے۔ اور غیر ضروری ہو تو اسے چھوڑ دینا چاہئے۔ یہی اصول فطرت کے قریب ہے۔

قرآن مجید جو آسمانی کتاب ہے اور تمام انبیاء اور مرسلین اور خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں کی تعلیم کا بنیادی عنصر اپنے اندر محفوظ کئے ہوئے ہے۔ اس سلسلہ میں بڑی اہم بات ہم تک پہنچاتا ہے،

"فاما الزبد فیذھب جفاءً واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض کذٰلک یضرب اللّٰہ الامثال"۔ (رعد ۱۳-۱۷)

(بس جو چیز ناکارہ ہے وہ گھنگھور بارش کے بعد زائل کردی جاتی ہے اور جو انسانوں کے لئے نفع اور ضرورت کی چیز ہوتی ہے اسے زمین پر باقی رکھا جاتا ہے اسی طرح اللہ مثال بیان فرماکر بات کو سمجھاتا ہے)

معلوم ہوا کہ انسانی ضروریات میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے کوئی چیز پہلے ضروری تھی اب نہیں اور کوئی چیز پہلے تو موجود ہی نہیں تھی یا انسانی گرفت میں نہیں آئی تھی لیکن اب ہمارے علم میں آگئی ہے۔ اور ہماری ضروریات اور حالات اور اس کی طلب کا تقاضا رکھتے ہیں۔ تو بے شک اسی چیز کو اہمیت حاصل ہے۔ انہی اصول کے تحت یہ سوال بہت بروقت ہے کہ مذہب کی ضرورت کیوں؟ اس کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ پہلے یہ معلوم کریں کہ مذہب کیا ہے۔

مذہب کے معنی ہیں راستہ۔ (WAY OF LIFE) طریقۂ زندگی اور انسانیت کو اپنی حقیقت علم کی روشنی میں جان لینے کے ہیں۔

انسان خود کیا ہے، کہاں سے آیا ہے، کس نے اسے بھیجا ہے۔ انسان کی پیدائش، موت، اور دنیا میں آنے سے پہلے اس کا وجود کہاں تھا؟

"ھل اتٰی علی الانسان حینٌ من الدھر لم یکن شیئاً مذکوراً"

(کیا انسان پر کچھ زمانہ میں ایک وقت ایسا نہیں گزرا کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا)

اس آیت قرآنی سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی مرضی سے آیا نہیں۔ اپنی مرضی سے جاتا نہیں۔ اس دنیا میں زمین اور اس کی پیداوار، سمندر اور اس کے فوائد، آسمان، ستارے، چاند، سورج، ہوا، بادل، پانی، موسم، سردی، گرمی، بارش یہ تو انسان کے آنے کے پہلے بھی موجود تھے۔ اسی طرح جانور، اندھیرا، روشنی، جھاڑ، پہاڑ، ندی، نالے، دریا، معدنیات، گیس، شعاعیں، یہ قدرت کی پیدا کی ہوئی انسانی ضروریات کی بے شمار چیزیں پہلے سے موجود تھیں اور انسان ظاہر ہے کہ بعد میں آیا، چونکہ یہ چیزیں اس کی ضرورت کی تھیں اس لئے انسان کے پیدا کرنے سے پہلے اس کی ضروریات کو بنا دیا گیا۔

آپ ذرا تصور کیجئے کہ یہ دنیا جیسی آج ہے ویسا ہی سب کچھ موجود رہے مگر صرف انسان اس دھرتی پر نہ ہو تو باقی چیزوں کے رہنے نہ رہنے سے کیا فائدہ؟ اور انسان کسی ضابطہ کا پابند نہ ہو تو اس کی انسانیت کس کام کی؟

معلوم ہوا کہ اس دنیا میں انسان کی فضیلت ہر چیز پر مسلّم ہے اور ثابت ہوا کہ انسان میں اس دنیا میں ایک اہم شخصیت ہے لیکن کیا یہ انسان اس دنیا کا مالک اور خالق ہے۔ ظاہر ہے یہ تو کہنا ہی پڑے گا کہ یہ مالک نہیں ہے، بلکہ TRUSTEE ہے۔ متولی اور ناظم ہے، ذمہ دار ہے، جواب دہ ہے۔

یہ تعلیم آسمانی مذہب ہر زمانہ میں انسان کو دیتا رہتا ہے کہ اے انسان! تیرا مالک ایک ہے۔ اسی نے تجھے پیدا کیا، وہی مارے گا۔ اور اسی کے حضور زندگی کا حساب دینے کے لئے تجھ کو کھڑا ہونا ہے۔ آسمانی کتاب قرآن میں کہا گیا،

"منھا خلقناکم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃً اخرٰی"۔ (طٰہٰ ۵۵)

(اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں ہم تم کو واپس ڈالیں گے اور اسی میں سے پھر تم کو دوسری بار نکال کر کھڑا کریں گے)

دوسرے جانداروں کے مقابلہ میں انسان کو بہت سی فضیلتیں حاصل ہیں۔ مثلاً سب جانداروں میں کوئی پیٹ کے بل رینگتا ہے، کوئی چار پیر پر چلتا ہے، کوئی پنکھ دار ہے۔ لیکن انسان دو پاؤں سے چلتا ہے۔ تمام جاندار جھکے ہوئے ہوتے ہیں اور اپنے پاؤں پر آڑے ترچھے چلتے ہیں، جبکہ انسان کا قد سیدھا ہے۔

اسی طرح انسان سماجی زندگی گذارتا ہے۔ شادی بیاہ کرتا ہے۔ خاندان اور ساکھ، رشتے ناطے رکھتا ہے۔ دوسرے جانداروں کو یہ فضیلت حاصل نہیں۔ جیسا کہ کہا گیا،

"والذی خلق من الماء بشراً فجعلہٗ نسباً وصہراً"۔ (الفرقان ۵۴)

(اور وہی اللہ ہے جو انسان کو پانی سے پیدا کرتا ہے پھر اسے خاندان والا اور سسرال والا بناتا ہے)۔

آپ کو تعجب ہوگا کہ سماج کا انتظام، بادشاہت، حکومت، قانون، جیل، سزا، موت، انصاف، گواہی، تجارت، کاشت کاری، اجتماعی رہائش یہ سب اوصاف بھی صرف انسان ہی میں ہیں۔

ان تمام باتوں میں ہم ایک انصاف و قانون ہی کا مسئلہ لیں گے جس سے مذہب کی ضرورت ثابت ہوجاتی ہے۔

اس دھرتی پر بہت ظلم ہوئے، کچھ ظالموں کو انصاف کی عدالت نے سزا دے کر قانون کا تقاضا کسی حد تک پورا کیا لیکن بہت سے اَن گنت ظالم قانون کے شکنجہ میں جکڑے ہی نہیں جا سکے۔ ایسے ظالموں کو سزا دینا اور مظلوموں کی فریاد کو پہونچنا ہم انسانوں کے بس کی بات نہیں۔ مذہب کے عقائد میں ایک بنیادی عقیدہ ہے اپنے مالک کے سامنے حساب دینے کا اور انصاف کے دن مالک کے سامنے حاضری دینے کا۔ یہ عقیدہ نہ ہو تو مذہب کی گرفت ہی سرے سے کمزور ہوگی اسی لئے قرآن میں کہا گیا،

"لا ظلم الیوم"

(آج انصاف کا دن ہے، آج کسی پر ظلم نہ ہوگا)۔

"واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت"۔ (تکویر ۸۱ — ۸-۹)

(اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کی گئی تھی)۔

ظالم انسانوں نے ایک زمانہ میں لڑکیوں کو زندہ دفن کردیا۔ زندہ گاڑی لڑکی کا کیا قصور تھا جو اسے یہ سزا دی گئی، پھر یہ ظالم چھوٹ جائیں تو فطرت (پرکرتی) منہ تکتی رہ جائے۔ آج بھی ہماری سماجی گرفت لوگوں کو برائی سے بچاتی ہیں۔ قانون، عدالت، انصاف، پولیس، فوج، یہ انسانی فطرت کے تقاضے ہیں۔ ان تقاضوں کی تکمیل محدود طور پر ہی دنیا میں ہوتی ہے، لیکن جو قانون کی پکڑ سے چھوٹ گئے یا جن پر ظلم ہوا یا جو نیک رہے لیکن ستائے گئے، مارے گئے اور بُرے لوگ سزا سے بچ گئے تو اس فطری خلا کو فطرت کی ضرورت کو مذہب ہی پورا کرسکے گا۔ عقیدۂ آخرت۔ یوم الحساب، جنت، دوزخ (یہ سب) پر یقین اور ایمان، اور ایمان بھی اپنے ایک مالک پر، بس یہی ایمان مذہب ہے، تو کیا اب انسان کو مذہب کی ضرورت کو تسلیم کئے بغیر بھی کوئی چارا باقی رہ جاتا ہے؟؟

مذہب کی حقیقت اس کی Definations یا اور ایمان ہے، ایسا آسمانی کتاب کا دعویٰ ہے پھر اگر آج ہمارے لئے ایمان بھی ضروری نہیں تو پھر ہماری انسانیت کس کام کی۔

> تعمیرِ حیات کی توسیع اشاعت میں حصہ لیجئے

اور یہ ضمیر فروش

سید قطب شہید
ترجمہ: شمس الحق ندوی

بعض کمزور طبیعت اور پست حوصلہ لوگ سمجھتے ہیں کہ عزت و شرافت کا ٹیکس بہت ہی بھاری و ناقابل برداشت ہے اس کو ادا کرنا جان جوکھوں میں ڈالنا ہے، لہٰذا یہ کم ہمت لوگ ذلت و رسوائی کو اپنے لئے سہل و آسان سمجھتے اور اسی کو اختیار کرتے ہیں تاکہ وضعداری اور خودداری کی گرانباری و سرگرانی سے بچے رہیں ایسے لوگ ہمیشہ گھٹیا اور پست درجہ کی زندگی گذارتے ہیں، یہ بزدل لوگ اپنے سائے تک سے ڈرتے اور اپنی ہی آواز بازگشت سے گھبراتے ہیں، ہر شور و غوغا کو اپنے ہی خلاف سمجھتے ہیں اور ایسے ہی لوگ زندگی کے زیادہ حریص بھی ہوتے ہیں۔

لیکن یہ ذلیل و پست ہمت لوگ دوسری طرف عزت و بلندی کے ٹیکس سے کہیں زیادہ ناقابل برداشت ٹیکس ادا کرتے ہیں، یہ سراپا ذلت و رسوائی کا ٹیکس ہوتا ہے، اس ٹیکس کو وہ اپنی جانیں دے کر، اپنی تقدیریں کھو کر ادا کرتے ہیں، اور بسا اوقات تو اپنے خون اور مال سے ادا کرتے ہیں اور اس طرح ادا کرتے ہیں کہ ان کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔

انھیں یہ خوش گمانی ہوتی ہے کہ ذلت کا ٹیکس ادا کرنے کے بعد وہ صاحب اقتدار و ذی مرتبہ لوگ سے عزت و شرافت کا سودا کرلیں گے، حالاں کہ یہ بارہا کا تجربہ ہے کہ ان کے یہ آقا جنھیں انھوں نے خدا بنا رکھا ہے، اپنی غرض اور مطلب حاصل کرلینے کے بعد ان کو اس طرح پھینک دیتے ہیں جس طرح کھجور کھالینے کے بعد گٹھلی پھینک دی جاتی ہے، کتنے ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اپنا جوہر مردانگی کھو کر، ذلت و رسوائی کا لبادہ اوڑھ کر اپنے کو ان آقاؤں کے سامنے پست کیا جھکے اور ذلیل ہوئے حیات انسانی کی تمام قدروں کو قربان کیا، انسانیت کے ہر شرف و تقدس کو بھینٹ چڑھایا۔ وہ ساری قدریں جو خدا نے انھیں عطا کی تھیں سب کچھ پس پشت ڈال کر ان کے پیچھے دوڑے، مگر وہ گھٹیا سے گھٹیا تر ہوتے گئے، ذلیل سے ذلیل تر ہوئے یہاں تک کہ ان کے وہ آقا جنھوں نے ذلیل کتوں کی طرح ان سے خدمت لی، وہ آقا جن کے لئے انھوں نے اپنی جان کی بازی لگائی، جن کی خاطر اپنے کو سزاوار جرم بنایا جن کی رضا و خوشنودی کے لئے اپنے کو ذلت و رسوائی کے کیچڑ میں لت پت کیا، انھوں نے ان کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا۔

کتنے ایسے لوگ ہیں جو باعزت و باوقار ہو سکتے تھے، اپنے اوپر خدا کی طرف سے ڈالی ہوئی ذمہ داریوں کی حفاظت کرسکتے تھے لیکن انھیں اس موقف کے اختیار کرنے میں کوئی خوف اور خطرہ نہیں تھا، کسی کا کوئی دباؤ نہیں تھا، حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو یہ نہیں چاہتے تھے کہ حق و صداقت کا غلغلہ ہو، امانت و دیانت کا درخت بارآور ہو ان سے بھی کوئی خطرہ نہ تھا، نہ وہ کچھ کرسکتے تھے، لیکن جب انھوں نے اس امانت میں خیانت کی جو ان کے حوالے کی گئی تھی شرف و عزت کے لئے مصائب و تکلیف جھیلنے سے عاجز رہے، ہمت ہاری تو انھیں لوگوں میں ذلیل و رسوا ہونا پڑا جو حق و صداقت کے دبدبہ سے خائف تھے یہ انھیں کی نگاہوں میں کمزور ہوئے جو ان سے ڈرتے تھے، یہ ان لوگوں کی نگاہوں میں قابل اعتنا ہوئے جو ان کو خریدنے کی کوشش کررہے تھے اور اس حد تک ناقابل اعتنا ہوئے کہ انھوں نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا، ان لوگوں کے قدموں تلے روندے گئے جو ان سے اس وقت وعدہ کرتے تھے اور سبز باغ دکھاتے تھے لیکن یہ اس وقت تھا جب ان کو حق کا مرتبہ حاصل تھا، شرف و عزت کا رعب حاصل تھا احساس ذمہ داری کی حلاوت حاصل تھی ایسے لوگ بے شمار ہیں جو عزت و بلندی کی چوٹی سے ذلت و رسوائی کے غار میں جا گرے، نہ ان کو کسی پر رحم آیا نہ ترس، جنازہ تک کا کسی نے ساتھ نہ دیا، حتیٰ کہ ان کے وہ آقا جن کے لئے انھوں نے اپنا سب کچھ کھویا تھا وہ ان کے کام نہ آئے، وعظ و نصیحت اور بار بار کے تجربوں کے باوجود برابر ہم ایسی قربانیوں کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، ایسی قربانی جو ذلت کا ٹیکس ادا کرتی ہے جو خدا اور لوگوں کی خیانت کرتی ہے، امانت و شرافت کو قربان کرتی ہے، ایسی قربانی جو آقاؤں کے پیچھے دکھ درد جھیلتی ہے لالچ و طمع کے پیچھے پریشان ہوتی ہے اور غلط اور بے حقیقت وعدوں کے پیچھے سب کچھ کھوتی پھر ٹھوکر کھاتی اور گرتی ہے اور گمنامی کے غار میں غائب ہوجاتی ہے، لوگ انھیں بُرا بھلا کہتے ہیں اور ان کے آقا ان پر ذلت و حقارت کی نگاہ ڈالتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

بڑے بڑے لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ جب انھوں نے غیر اللہ کے سامنے سر جھکایا تو ذلت و رسوائی کا ناقابل برداشت ٹیکس کا بوجھ اٹھانا پڑا۔ ایسا بوجھ جو ان کے سروں کو جھکا دیتا ہے گردنیں موڑ دیتا ہے پھر یہ لوگ اپنا بوجھ رکھنے اور ساری پونجی دے دینے کے بعد کتوں کی طرح دھتکار دئے گئے، دنیا و آخرت دونوں جہان سے ہاتھ دھویا اور غلاموں کے زمرہ میں داخل ہوگئے، آج ان کا کوئی نام تک نہیں لیتا حالانکہ مجھے یہ علم ہے کہ ان کے اندر ایسی صلاحیتیں تھیں اور یہ اس پر قادر تھے کہ آزادی کی زندگی گذارتے مگر انہوں نے غلامی ہی کو پسند کیا، وہ اثر انداز ہونے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے لیکن انہوں نے ذلت ہی کو اختیار کیا، وہ بارعب صاحب اور دبنگ شخصیت بن سکتے تھے مگر انھوں نے بزدلی و کم ہمتی ہی کو اپنا شعار بنایا، بسا اوقات وہ عزت سے اس لئے بھاگے کہ ان کو ایک دینار نہ خرچ کرنا پڑے، پھر انھیں ذلت کے لئے ڈھیر کا ڈھیر خرچ کرنا پڑا، صاحب مرتبہ و ذی اقتدار لوگوں کی خوشنودی کے لئے وہ بڑے بڑے جرائم کے مرتکب ہوتے ہوئے نظر آئے۔

یہی نہیں بلکہ مجھے تو بعض ایسے قبیلے اور خاندان نظر آئے جو آزادی کی خاطر ایک مرتبہ کی پریشانی سے ڈرتے ہیں اور بار بار غلامی کا ٹیکس ادا کرتے ہیں، ایسا ٹیکس جس کا آزادی کے ٹیکس سے کوئی تناسب نہیں جو غلامی کے ٹیکس کا عشر عشیر بھی نہیں۔ قوم یہود نے بہت پہلے اپنے نبی سے کہا تھا اے موسیٰ اس میں ظالم لوگ ہیں وہ جب تک اس میں رہیں گے ہم ہرگز ہرگز اس میں داخل نہ ہوں گے تم اور تمہارے رب جاؤ جنگ کرو ہم یہاں بیٹھے ہیں (قرآن مجید) یہود نے عزت و آزادی کی تکلیف کے اس انکار کی قیمت چالیس سال تک صحرا میں بھٹک کر ادا کی۔ برابر ان کو جھلستی رہی پردیسی کی زندگی کی ذلت جھیلتے رہے خطرات ان کو ادھر سے ادھر دوڑاتے رہے مگر ان سے یہ نہ ہوسکا کہ اس کا بہت کم حصہ بہادری کی دنیا میں عزت و کامیابی کے لئے جھیل لیتے ٹیکس تو بہر حال ہر فرد و جماعت اور قوم و ملت کو ادا کرنا ضروری ہے چاہے وہ اس کی عزت و بڑائی کے لئے ادا کریں یا ذلت و رسوائی اور غلامی کے لئے، تجربات اس حقیقت کو بتلاتے ہیں جس سے کوئی مفر نہیں۔

جو لوگ آزادی کی پریشانیوں سے ڈرتے ہیں، عزت و شرافت کے انجام سے خائف رہتے ہیں اور اپنے چہروں کو پیروں تلے روند کر ذلیل کرتے ہیں وہ لوگ امانت میں خیانت کرتے ہیں، اپنی عزتوں سے خیانت کرتے ہیں، مقام انسانیت سے خیانت کرتے ہیں۔ ان بڑی بڑی قربانیوں سے خیانت کرتے ہیں جو ان کی قوم اور انسانیت نے اپنی آزادی و گلو خلاصی کے لئے پیش کیں، میں ان لوگوں سے کہتا ہوں ان ضمیر فروشوں سے کہتا ہوں، خود فراموشی اور خدا فراموشی کے ان سوداگروں سے کہتا ہوں کہ وہ تاریخ کے عبرتناک واقعات پر غور کریں۔ عہد قریب میں ذلت کی جو مثالیں گزر رہی ہیں ان پر غور کریں میں ان کو شب و روز مسلسل پیش آنے والے واقعات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں، وہ دیکھیں اور سوچیں کہ ذلت کا ٹیکس عزت کے مقابلہ میں کتنا مہنگا پڑتا ہے وہ سوچیں کہ آزادی کے مصائب غلامی کے مصائب سے کتنے کم ہیں، جو موت کو لبیک کہتا ہے زندگی اس کا دامن تھامتی ہے، جو لوگ فقر سے نہیں ڈرتے ان کو شاہوں کا سامنا نصیب ہوتا ہے، جو لوگ جاہ و جلال اور اقتدار و قوت سے نہیں خائف ہوتے، جاہ و جلال اور اقتدار و قوت خود ان سے خائف رہتی ہے۔

ہمارے سامنے ماضی قریب کی بہت سی مثالیں ہیں کہ وہ ذلیل اور پست ہمت لوگ جنھوں نے ضمیر فروشی کی، خیانت و دغابازی کی، اپنے کو رسوائے زمانہ کیا، اور اس طرح گئے کہ کسی کو ان کے جانے کا غم نہ ہوا بلکہ وہ خدا کی لعنت کے سزاوار اور لوگوں کی ملامت کا نشانہ بنے۔

ٹھیک اسی طرح ہمارے سامنے ایسی بھی مثالیں ہیں اگرچہ وہ تھوڑی ہی کہ جن حوصلہ مندوں نے ذلت و رسوائی سے انکار کیا خیانت کرنے اور جوہر مردانگی کا سودا بازی سے انکار کیا، وہ عزت کے ساتھ زندہ رہے اور عزت کی موت مرے۔ اہل ایمان میں کچھ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اس وعدہ کو سچ کر دیا جو انھوں نے خدا سے کیا تھا، ان میں کچھ وہ ہیں جنھوں نے جام شہادت پیا اور کچھ وہ ہیں جو انتظار کررہے ہیں مگر ذرہ برابر نہیں بدلے۔

••

افغانی

اپنے دین و ایمان کی جنگ لڑ رہے ہیں

محمد الازہار ندوی

لندن ٹائمز نے واشنگٹن کے حوالہ سے یہ خبر دی ہے کہ افغانستان میں موجود ایک لاکھ سے زائد روسی فوج نہ تو ماسکو کی پروردہ کابل حکومت کو استحکام بخش سکی ہے اور نہ ہی ملک میں اسلامی انقلاب کی تحریک کو کچل سکی۔ نامہ نگار نے واشنگٹن میں امریکی محکمہ سراغ رسانی کے ذرائع اور مختلف امریکی سفارتی نمائندوں سے ملنے والی اطلاعات کی بنیاد پر کہا ہے کہ کابل حکومت کی حامی فوجوں کے حوصلے پست ہو چکے ہیں ان کی نفری ایک تہائی رہ گئی ہے، اور نئی فوجی بھرتی میں کابل حکومت کو سخت مشکلات کا سامنا ہے، نامہ نگار کے مطابق حکمراں پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کے پرچم اور خلق بازوں میں شدید اختلافات کی وجہ سے اب حکومت کا زیادہ تر انتظام روسیوں کو اپنے ہاتھ میں لینا پڑا ہے اور بیشتر وزارتوں تک میں سکریٹری کے عہدے کے افراد روسی ہیں، اطلاعات کے مطابق ان حالات نے روسیوں کو افغانستان پر ایک طویل مدت تک قابض رہنے کی منصوبہ بندی پر مجبور کر دیا ہے اور اسی وجہ سے روس حامی نوجوانوں، فوجی افسروں، پولیس والوں اور سرکاری ملازمین کی ایک بڑی تعداد کو روس میں تربیت دی جا رہی ہے خود افغانستان کے تعلیمی اداروں کی یہ حالت ہے کہ وہاں روسی دوسری اہم زبان کی حیثیت اختیار کرتی جا رہی ہے۔

خلق اور پرچم پارٹی کے اختلافات کی توثیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حال ہی میں دونوں پارٹیوں کے حامیوں میں شدید جھڑپ ہوئی تھی جس میں متعدد افراد ہلاک ہو گئے تھے اور لندن کے اخبار ڈیلی ٹیلیگراف نے لکھا ہے کہ یہ اختلافات خلق پارٹی کے کئی افراد کو گولی مار دینے کے واقعات کے بعد اور سنگین ہو گئے، نیز دو اہم رہنما اسلم وطن یار خاں اور گلاب زئی دار الحکومت میں موجود نہیں ہیں اور کابینہ کے ارکان کی حیثیت سے صرف شکوک و شبہات ہی نہیں پائے جا رہے ہیں بلکہ یہاں تک خیال کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ ماسکو گئے ہوئے ہیں اور روسیوں سے ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں اور جب روسی کابل حکومت سے بالکل مایوس ہو جائیں گے تو افغانی عوام کے سامنے ایک نجات دہندہ کے طور پر اسلم وطن یار خاں کو پیش کریں گے۔ موجودہ صدر اور اسلم وطن یار خاں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ایک کا تعلق پرچم پارٹی سے ہے اور دوسرے کا خلق پارٹی سے اور دونوں پارٹیاں کمیونسٹوں کا آئینہ ہوتے ہوئے نظریاتی فرق رکھتی ہیں۔

ان حالات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حکمراں طبقہ کتنے نازک دور سے گزر رہا ہے اور اس کو اندرونی کشمکش سے کس طرح نپٹنا پڑ رہا ہے اور سپر پاور اس کی ہر معاملہ میں پشت پناہی کر رہی ہے مگر اسی کے ساتھ کٹھ پتلی حکومت میں انتشار، بے چینی اور تفرقہ ہے جب کہ مجاہدین دشمن کے خلاف منظم اور اس کو نیست و نابود کرنے پر متفق ہیں، ان کے پاس عوامی طاقت ہے اور ملک کو کمیونسٹوں سے محفوظ کرنے کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار ہیں اور ان کا تو کہنا ہے کہ ہم کو ایک مدت کے بعد صحیح طور پر جہاد کرنے کا موقع ملا ہے ہم اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے ہمارے پاس تو اللہ و رسول کا نام ہے، نصرت خداوندی ہے جبکہ کٹھ پتلی حکومت اپنے ملک میں حکمراں ہوتے ہوئے دوسروں کے اشاروں پر ناچتی ہے اور ماسکو کے ہر حکم کو بے چوں و چرا تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہے اگر وہ ایسا نہیں کرے گی تو اسکی جگہ اسکا بھائی اسکے خون کا پیاسا بن کر آئے گا اور وہ اپنے بھائی سے زیادہ اپنے کو مطیع و فرمانبردار ثابت کرنے کی کوشش کریگا، جیسا کہ سردار داؤد، نور محمد ترکی، حفیظ اللہ امین نے کیا اور موجودہ صدر کارمل کر رہے ہیں۔

مجاہدین کی سرفروشانہ کارروائیوں کے عینی شاہد جناب مختار حسین نمائندہ جسارت جب ۹۶ دن کارمل انتظامیہ کی جیلوں میں گزار کر وطن واپس آئے تو برجستہ کہہ بیٹھے روس افغانستان میں اپنی جنگ ہار چکا ہے اور اب وہ ایسی منظم کوشش کرے گا، جس سے وہ اپنے مفادات کا تحفظ کر سکے۔ انھوں نے مجاہدین کے عزائم کا اظہار ان الفاظ میں کیا، اپنی آزادی اور اسلامی تشخص کی جنگ لڑنے والے افغان مجاہدین اپنی بندوقوں سے ایک وحشی سپر پاور کی قہر سامانیوں کا مقابلہ کر رہے ہیں اور یہ ان ہی جذبوں کا اعجاز ہے کہ صوبائی صدر مقامات کے سوا پورا ملک مجاہدین کے ہاتھ میں ہے اور پورا ملک اس جارحیت کے خلاف لڑ رہا ہے کابل کے طلبہ مسلسل سڑکوں پر مظاہرے کر رہے ہیں اور ہر نیا دن ان کے لہو کی شمعوں سے جگمگاتا ہے بے شمار افراد جیلوں میں ہیں اور انتہا یہ ہے کہ شہروں میں روسی ٹینکوں کی حفاظت اور فضائی تحفظ کے بغیر ٹریفک نہیں چل سکتی۔

انھوں نے مجاہدین کے عزم و ہمت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ افغانستان میں خالص تر جہاد برپا ہے وہ روسی فوجوں سے اسلحہ چھین کر انہی کے خلاف استعمال کرتے ہیں یا پھر جو افغان فوجی مجاہدین سے آملتے ہیں وہ اپنا اسلحہ بھی ساتھ لیتے آتے ہیں انہوں نے مزید بتایا کہ دو تہائی سے زائد سپاہی اسلحہ سمیت فرار ہو کر مجاہدین سے آن ملے ہیں مجاہدین کے درکار اسلحہ کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اگر انہیں ٹینک شکن اور طیارہ شکن توپیں دیدی جائیں تو جنگ کا پانسہ پلٹ سکتا ہے۔

مجاہدین کی جنگی کارروائیوں کے سلسلہ میں حزب اسلامی کے قائد مولوی محمد یونس خالص نے اپنے ایک انٹرویو میں مزید اس پر روشنی ڈالی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجاہدین اقتصادی اور عسکری لحاظ سے اب بہتر و مستحکم ہیں علاوہ ازیں ان کو نصرت خداوندی حاصل ہے وہ مجاہدین کی کامرانیوں کی تفصیلات بیان کرتے ہیں، ہم ان (روسیوں) پر گوریلا حملہ کرتے ہیں اور اچانک حملوں کا فائدہ ہمیں حاصل ہوتا ہے دوسرے ہماری پوزیشن اس لحاظ سے بھی بہتر ہے کہ ہم پہاڑوں کے قلعوں میں ایک قدرتی حفاظتی حصار میں رہتے ہیں جبکہ ہمارا دشمن میدانی چھاؤنیوں میں رہنے پر مجبور ہے تیسرے یہ کہ ہم بیشتر اوقات راتوں کو شب خون مارتے ہیں اور جب تک دشمن بیدار ہوتا ہے ہم اس کے بہت سے افراد کو مار کر اور بہتوں کو زخمی کر کے اپنے ٹھکانوں پر پہونچ جاتے ہیں اور سب سے بڑی وجہ ہم کو نصرت خداوندی حاصل ہے۔

ان تمام تفصیلات کے بعد یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ افغانستان میں روسی قدم کس طرح ڈگمگا رہے ہیں اور اپنی موجودگی کو ظاہر کرنے کے لئے کتنی قربانیوں کا سہارا لینا پڑ رہا ہے اور وہ دن بہت قریب نظر آ رہا ہے جب روسیوں کو افغانستان میں اپنی پسپائی تسلیم کرنی پڑے گی۔

شام میں

سید سلمان حسنی ندوی

خونِ شہیداں رنگ لائے گا

شام کی وہ سرزمین جس کی فضاؤں میں عطر بیزیاں تھیں آج وہ انسانی لاشوں کے تعفن سے مکدر ہے، وہ سرسبز و شاداب کھیت جو لہلہاتے تھے اور اللہ کی حمد کے گیت گاتے تھے، اجاڑ اور ویران ہو گئے، ان کی شادابی کمھلا گئی، وہ پھلوں سے بھرے اور لدے باغات جو شام کی زینت کو چار چاند لگاتے تھے، بے رونق ہو گئے، درختوں کی ٹہنیاں ننگی ہو گئیں، تہذیب و تمدن کے وہ نقوش جو مسلمانوں کی تابندہ تاریخ نے چھوڑے تھے ان کو کالک لگ گئی، اسلامی مدارس کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا گیا، دینی مراکز برباد کر ڈالے گئے، دعوت و تبلیغ پر پہرے بٹھا دئے گئے۔

یہ سب کب ہوا؟ مسلمانوں کی ابتدائی غفلت، انتشار و افتراق اور استعمار کی چالوں نے جب شام کے ایک مختصر تعداد والے فرقہ کو زمام کار سونپ دی۔ دروزی فرقہ۔ جس کے متعلق علمائے فرق کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ یہودیوں سے زیادہ مبغوض ملعون اور مکر و فریب کی سیاست چلنے والا اور اسلام دشمن فرقہ ہے، اپنی سیاسی چالوں اور گہری سازشوں کے نتیجہ میں فوج پر حاوی ہو گیا، اور پھر انقلاب اس کے حق میں آیا، اگر ایک طرف اشتراکی طاقت اس کو سہارا دے رہی تھی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ شام روس کی ایک کالونی بن جائے اور اشتراکی بعث پارٹی اسی کی نمائندہ قرار دی جائے، یہی ہوا اور "دروزیت" اور "اشتراکیت" کا دو آتشہ تیار ہوا، اشتراکی نظام اپنایا گیا، وہ نظام جو کٹہرہ کی سلاخوں کے پیچھے روس میں بار بار ناکامی کا سامنا کرتا تھا، ہیگل سے لے کر اسٹالین، خروشچوف اور برزنیف تک جس نظام کو برقرار رکھنے اور چلانے کے لئے، انسانی لاشوں کی سڑکیں بنائی گئیں، اناج گراں ہوا، انسانی خون ارزاں ہوا، جہاں اجتماعی زندگی کو جاسوسی نظام کی گرفت سے زار و نزار کر دیا گیا، جہاں انسانی ضمیر کا قتل کیا گیا اور شرم و حیا کا خون چوس لیا گیا۔

وہ نظام جب شام میں دروزی فرقہ کے ہاتھوں نافذ کیا گیا، تو اس کی اول و آخر زد اسلام اور مسلمانوں پر پڑی، دین کا مذاق اڑایا گیا، خدا تعالیٰ کا برملا انکار کیا گیا، علما و صلحا کو جیلوں کی کوٹھریوں میں بند کر کے وہ وحشیانہ مظالم کئے گئے، جن کے تذکروں سے انسانیت ناواقف تھی، سیکڑوں علماء اور ہزاروں متدین افراد گھر سے بے گھر ہو گئے، شام کے مرغزاروں کو چھوڑ کر پردیس میں پناہ لی۔

اسلام و انسانیت کشی کا یہ عمل چل رہا تھا، حق بات کہنا گویا معنی اس کا ارادہ جرم تھا۔ کسی پر شبہ ہو جاتا تو وہ اچک لیا جاتا اور اس کے انجام کا کسی کو پتہ نہ لگتا اس کے گھر کی تلاشی ہوتی، گھر والوں کو تھرکایا جاتا، دھمکیاں دی جاتیں، آبرو ریزی کی جاتی اور انسانی شکل دھارے ہوئے درندے جو کچھ کر سکتے ہیں اس سے زیادہ ہولناک سلوک کیا جاتا۔

لاوا پک رہا تھا، غیرت چیخ چیخ اٹھتی تھی، حمیت گریبان پکڑتی تھی، نوجوانوں کی نئی نسل میں اسلام کا ناخون دوڑ رہا تھا، ذلت آمیز سلوک، اسلام کشی، جابرانہ آمریت، فحاشی اور قحبہ گری کی پشت پناہی، اسلامی اخلاق و کردار کا خون، جبر و تشدد، ظلم و طغیانی اور فرعونیت اپنی آخری حد تک پہونچ چکی تھی، نوجوانوں کی اس باحمیت و غیرت نسل کا ایک مرد آزاد "مروان حدید" جو حق کا امین تھا، کلمۂ حق کہنے پر شہید کر دیا گیا، اور لاوا پھٹ گیا۔

وہ مسلم نوجوان جنھوں نے تاریخ کے ایک دور سے سبق سیکھا تھا جن کو کوئی طاقت و قوت مرعوب نہ کر سکتی تھی، ایمان و یقین جن کے رویں رویں سے پھوٹا پڑتا تھا، جو آہ سحر گاہی کی نمی سے اپنے دل کی کھیتوں کو شاداب کر چکے تھے، جن کے ذہن و دماغ میں ابھی بدر و احد کے معرکے تازہ تھے، جن کو اس حقیقت ابدی پر یقین تھا، "کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله والله مع الصابرين" جن کے اندر جہاد کا جذبہ، خدا کی راہ میں شہید ہو جانے کا ولولہ و شوق موجزن کے لئے بیتاب تھا، وہ نہتے نوجوان دروزی ملحد اشتراکی حکومت کے مقابلہ کے لئے سینہ سپر ہو کر آ گئے، ایک طرف حکومت کی طاقت، فوج کی طاقت، روس کی پشت پناہی، اسرائیل کا تعاون، امریکہ کی سازشیں، دوسری طرف نہتے نوجوان جن کے پاس ایمان کا ہتھیار، جہاد کا شوق اور خدا کی زمین پر حکم خدا نافذ کرنے کا جذبہ تھا۔

ان نہتے مردان حر کے مقابلہ میں، انکی تحریک کو کچلنے (اخوان المسلمین) کے لئے، ان کی آواز کو دبانے کے لئے، ان کے وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی خاطر دروزی حکومت کی فوجوں نے کیا کیا؟ یہ وہ مقام ہے جہاں قلم آگر رک رک جاتا ہے، کس کو یارا ہے کہ اس خونیں داستان کو بیان کرے جو اگر محض مردانہ جنگ ہوتی، جس میں فریقین کا کھل کر مقابلہ ہوتا تو رنج کی بات نہ ہوتی، لیکن یہ جنگ طاقت کے عظیم تفاوت کے باوجود دیکطرفہ جنگ تھی، اس جنگ میں مسلمان نوجوانوں اور اسلام کا نام لینے والوں پر جو وحشیانہ مظالم کئے گئے، جس بربریت اور درندگی کا مظاہرہ کیا گیا، جن حیا سوز اور اخلاق کش جرائم کو روا رکھا گیا، افسوس ہے کہ عالمی صحافت اور ذرائع ابلاغ یہودیوں یا یہودی سرشت رکھنے والے انسانوں کے چنگل میں اگر نہ ہوتے اور ان میں سچائی، دیانت داری اور واقعہ نگاری کا صحیح عنصر موجود ہوتا اور مسلمانوں کی ابھرتی اور کامیابی کی طرف پیش قدمی کرتی ہوئی طاقت کے خلاف دروزی فرقہ سے اگر عالمی ساز باز نہ ہوتا تو دنیا کے ہر ملک کا باضمیر اور انسانی ہمدردی رکھنے والا ہر شخص چیخ اٹھتا۔

حلب، حماۃ اور لاذقیہ نامی شہروں کا جو مسلمانوں نوجوانوں کی طاقت کا دینی و روحانی مرکز ہیں، ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے محاصرہ کیا گیا، ہفتوں یہ محاصرہ قائم رہا، رسد بند کر دی گئی، بھوک سے بچے بلک بلک گئے، ماؤں کی چھاتیاں خشک ہو گئیں، بھوک کی تاب نہ لا کر شام جیسے شاداب کھیتوں اور باغوں سے بھرے ہوئے ملک میں انسانوں کی موتیں ہوئیں، ظلم کے پہاڑ توڑے گئے، علما کو سڑکوں پر گھسیٹا گیا، ہزاروں نوجوانوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا گیا، ایک ایک گھر کی تلاشی لی گئی، عورتوں کی بے حرمتی کی گئی، ان درندوں نے بلکتے بچوں، اور سسکتی آہوں کا بھی گلا گھونٹ دیا، عورتوں کو برہنہ کیا، زندہ انسانوں کی ہڈیاں توڑ دیں، دانت اور ناخن اکھاڑ دئے، لوگوں کو زندہ جلایا، کئی کے کرنے لگائے، بھرے کتے ان پر چھوڑ دئے، کوڑوں سے ان کی پیٹھ کا گوشت اڑا دیا۔

ظلم کی کون سی وہ شکل ہے جس کو ان وحشیوں نے برتا نہ ہو، حیا سوزی کا کون سا وہ طریقہ ہے جس کو انھوں نے استعمال نہ کیا ہو ان کے جرائم، اور ظلم و تشدد سے زمین کانپ کانپ جاتی تھی، اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے چند دن کی ڈھیل کا فیصلہ نہ ہوتا تو زمین پھٹ جاتی اور ان سفاکوں اور ہلاکو و چنگیز کو شرمانے والے خوفناک درندوں کو دھنسا دیا جاتا۔

یہ طاغوت و جابر حکمراں یہ سمجھ رہے تھے کہ طاقت کے زور سے ایمان کے شعلہ کو سرد کر دیں گے، ٹینکوں سے ان سرشار نوجوانوں کو کچل دیں گے، بمباری کر کے بستیاں کی بستیاں اجاڑ دیں گے اور دنیا کو دروغ گوئی اور افترا پردازی سے یہ باور کرا دیں گے کہ یہ چند انتہا پسند اور سرپھروں کا جنون ہے جس کا علاج بندوقوں کی گولیاں اور دار کے تختے ہیں۔

لیکن ان کو یہ حقیقت معلوم نہ تھی اور اس کا گذشتہ تجربہ نہ تھا کہ یہ اسلام کی طاقت ہے، یہ وہی جذبہ جہاد ہے جس کو لے کر جب اہل اسلام اٹھے تھے اور روم و ایران کی بازنطینی اور ساسانی حکومتوں کو تاخت و تاراج کر دیا تھا، اس جذبہ کو کوئی طاقت مٹا نہیں سکتی، ہزاروں نوجوانوں کو شہید کیا جا سکتا ہے بستیوں اور آبادیوں کو مقبروں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے لیکن اس آتش کو اب بجھایا نہیں جا سکتا یہ وہ آگ ہے جو آج افغانستان و شام، لیبیا، مراکش، الجزائر، اریٹریا، صومالیہ، فلپائن، انڈونیشیا اور دنیا کے ان تمام ملکوں میں لگی ہے جہاں اسلام کو مٹانے کی اور مسلمانوں پر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑنے کی ہر ممکن کوشش ہو رہی ہے۔

حافظ الاسد اور ببرک کارمل ایک ہی کھلاڑی کے دو مہرے ہیں، دونوں کا قبلہ روس اور دونوں کا معبود لینن اور برزنیف ہے، اس حقیقت میں اگر کسی کو شک ہے تو اس کا ایمان مشکوک ہے، آج افغانستان و شام میں ایمان و کفر کا مقابلہ ہے، جبر و تشدد اور عدل و انصاف کا مقابلہ ہے۔ انسانوں اور درندوں کا مقابلہ ہے، مسلمان کو اتنا باہوش ضرور ہونا چاہئے کہ بے دین صحافت اور بی بی سی ریڈیو اور ٹیلیویژن کی رپورٹوں اور خبروں پر یقین کر کے دھوکہ نہ کھائے، شام و افغانستان میں جہاد، حریت اور عدل و انصاف کے لئے جو قربانیاں دی جا رہی ہیں، اس کا کم از کم مسلمانوں پر پہلے درجہ میں تقاضا ہے کہ اپنے قلب و روح کے ساتھ جس قسم کا تعاون

(بقیہ صفحہ پر)

دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تعلیم اور نظام داخلہ کی چند ضروری تفصیلات

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ماہ شعبان کو تعلیمی سال ختم ہو رہا ہے، دو ماہ کی تعطیل کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ نیا سال شروع ہوگا چونکہ اسی تعطیل میں نئے طلباء کی درخواستیں آتی ہیں اس لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تعلیم و ضوابط داخلہ کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم ابتداء سے انتہا تک کئی مرحلوں کی ہے۔ پانچ سال ابتدائی تعلیم کے جس میں اردو زبان، ابتدائی دینیات اور زندگی میں کام آنے والے متعدد ضروری مضامین داخل ہیں اس کے بعد پانچ سال وسطی تعلیم کے ہیں جس میں دینیات اردو، عربی زبان و ادب، نحو و انشاء کے مضامین کے ساتھ ساتھ انگریزی بھی داخل نصاب ہے۔ یہ دس سالہ تعلیم معہد ابتدائی اور معہد ثانوی کے انتظام و نظام میں داخل ہے، ان دو مرحلوں کے بعد عربی و علوم دینیہ کے اعلیٰ درجات ہیں، ان درجات کو ان کے داخل نصاب مضامین کی اہمیت و وسعت کی بناء پر انتظامی طور پر علیحدہ علیحدہ تین بڑے شعبوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ان کی ترتیب و انتظام میں متعدد خصوصیات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

ان میں سے ایک شعبہ کلیۃ الشریعۃ واصول الدین کہلاتا ہے، یہ فقہ و حدیث و تفسیر اور ان سے متعلقہ ضروری مضامین کی تعلیم کے ساتھ مخصوص ہے لیکن اس میں عربی ادب و انشاء کی تعلیم کا بھی ضروری انتظام ہے، اس شعبہ میں فقہ و حدیث و علوم دینیہ کی کتب مضامین بیشتر وہی ہیں جو ملک کی مستند دینی تعلیم گاہوں کے اعلیٰ درجات میں داخل نصاب ہیں، اس کے ساتھ ساتھ انگریزی اور بعض ضروری مضامین کا بقدر گنجائش اضافہ ہے۔ اس شعبہ میں علوم دینیہ کی اعلیٰ تعلیم کا پورا انتظام ہے۔

دوسرا شعبہ کلیۃ اللغۃ العربیۃ والآداب ہے اس میں عربی ادب و انشاء اور اس کے متعلقہ علوم و فنون کی زیادہ مرتب اور وسیع تعلیم دی جاتی ہے، اس میں صرف وہ طلباء داخل کئے جاتے ہیں جنھوں نے فقہ و حدیث و تفسیر میں کسی مستند تعلیم گاہ سے فضیلت کی ہو اور وہ اس کی سند رکھتے ہوں اور ادب عربی میں زیادہ بہتر طریقے سے استفادہ کرنا چاہتے ہوں، داخلہ ایک زبانی جانچ کے بعد ہوتا ہے، اس جانچ سے درجہ کا تعین کیا جاتا ہے، تعلیم دو مرحلوں پر مشتمل ہے، ایک فضیلت دوسرے تخصص۔

تیسرا شعبہ المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی ہے اس میں صرف وہی طلباء لئے جاتے ہیں جو علوم دینیہ و ادب عربی دونوں میں فضیلت کر چکے ہوں اور اب بطور مزید دعوت اور فکر اسلامی کے مختلف علمی و ادبی گوشوں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہوں، یہ شعبہ فی الحال صرف تخصص پر مشتمل ہے اور اس میں دو سالہ نصاب ہے۔

دارالعلوم کے مذکورہ بالا تینوں شعبوں کے درجات تخصص مختلف علوم کے لحاظ سے متعدد ذیلی شعبوں پر مشتمل ہیں جن میں علیحدہ علیحدہ مختلف مضامین کے اختصاص کا انتظام ہے ــــ مثلاً کلیۃ الشریعۃ میں شعبہائے تفسیر و حدیث و فقہ علیحدہ علیحدہ، کلیۃ اللغۃ العربیۃ میں شعبہ فن ادب و انشاء، اور بعض دوسرے شعبے ہیں اور المعہد العالی للدعوۃ میں شعبہ فکر اسلامی و دعوت کے شعبہ تقابل ادیان شعبہ فکر ولی اللٰہی اور شعبہ الحرکات الاسلامیہ ہیں۔

عصری تعلیم گاہوں کے جو فضلاء عربی و دینیات کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان کے لئے بھی دارالعلوم نے ایک علیحدہ نظام قائم کر رکھا ہے یہ ایک پنج سالہ کورس ہے جس میں ۹ سالہ عربی و دینیات کی تعلیم کو سمیٹ کر صرف پانچ سال میں محدود کیا گیا ہے۔ لیکن اس نظام کے تحت صرف اُن طلباء کا داخلہ قبول کیا جاتا ہے جو کسی عصری تعلیم گاہ سے بی۔اے کی سطح تک تعلیم حاصل کر چکے ہوں۔

ضوابط داخلہ:

دارالعلوم کے دارالاقاموں میں جگہیں محدود ہونے کے باعث سال آئندہ داخلوں کی تعداد محدود رکھی جا رہی ہے، اس لئے داخلہ کے خواہشمندوں کے لئے ضروری ہے کہ رمضان کے اختتام تک درخواست دے کر منظوری داخلہ حاصل کر لیں، داخلہ کے ساتھ وظیفہ کے خواہشمندوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ وظیفہ کی درخواست دفتر سے حاصل کردہ وظیفہ فارم پر اندراج کر کے ۱۲ رمضان تک مہتمم دارالعلوم کو ضرور بھیج دیں تاکہ ان کو اس کا جواب آخر رمضان تک دیا جا سکے۔

منظوری کے بغیر طلباء دارالعلوم نہ آئیں ورنہ ان کو بلاوجہ زحمت ہوگی، کیونکہ نئے طلباء کی درخواستیں دارالعلوم کے دارالاقاموں میں موجودہ گنجائش کے مطابق ہی منظوری کی جاسکیگی۔ درخواست کی منظوری ملنے پر طلباء ۱۱ر شوال سے ۲۰ر شوال تک دارالعلوم پہونچ جائیں، داخلہ کی تاریخیں ۱۱ر شوال سے ۳۰ر شوال تک ہیں، اس کے بعد صرف خصوصی حالات میں داخلہ ہو سکے گا۔

وظیفہ کی درخواست ثانویہ خامسہ اور اس سے اوپر کے درجات میں داخلہ کی صلاحیت ہونے پر منظوری کے لئے قابل غور ہوگی۔

ثانویہ خامسہ میں داخلہ کے لئے امتحان علی العموم حسب ذیل کتب سے لیا جاتا ہے فقہ میں نور الایضاح، نحو میں ہدایۃ النحو، صرف میں علم التصریف، عربی زبان و ادب میں القراءۃ الراشدہ حصہ سوم و کلیلہ دمنہ ترجمہ عربی ہیں، انھیں کتب کے معیار کے مطابق جو طلباء اس مذکورہ بالا علمی معیار کے ہوں صرف وہی طلباء وظیفہ کی درخواست دے سکتے ہیں، اس سے کم استعداد پر درخواست منظور نہ کی جائے گی، البتہ بی۔اے کی استعداد والے طلباء، پانچ سالہ نظام کے لئے درخواست دے سکتے ہیں۔ آنے والے طالب داخلہ کو اپنے ساتھ اپنی سابقہ درسگاہ سے تصدیق نامہ ساتھ میں لانا ضروری ہے،

مستطیع طلباء سے بشرط منظوری داخلہ صرف فیس طعام لی جاتی ہے بقیہ ضروریات کے لئے طالب علم خود ہی اپنی صوابدید سے صرف کرتا ہے البتہ بعض جزوی امور کے لئے ایک معمولی فیس بھی دفتر دارالعلوم میں مزید داخل کرنا ہوتی ہے۔ فیس طعام آجکل بمبلغ ساٹھ روپے لی جاتی ہے، ناشتہ اور بقیہ ضروریات کے لئے طالب علم کو اپنے معیار کے مطابق رقم کا نظم کرنا چاہیے۔

بقیہ صـ۱۶ مدرسہ فلاح المسلمین

سے تھا جو نبوت و رسالت کا وارث و جانشین تھا۔

حضرت مولانا مدظلہ، نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنے چھوٹے بچوں کو کالجوں میں داخل کرنے کے بجائے دینی مدارس میں داخل کریں جہاں ان کے ذہن کی سادہ تختی پر عقیدۂ توحید و رسالت کا نقش بٹھایا جائے گا اور خالص دینی نقطۂ نظر سے ان کی تربیت کی جائے گی، اور اپنے قدیم ورثہ پر اعتماد بحال کیا جائے گا، کیونکہ ہم اگر اس ورثہ کو کھو دیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنے راس المال کو کھو دیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت کی طرف بلیغ انداز میں اشارہ فرمایا ہے۔

ما الفقر اخشیٰ علیکم ولکن اخشیٰ علیکم ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علیٰ من قبلکم۔

حضرت مولانا نے فرمایا کہ وہ متوقع خطرہ سامنے آ رہا ہے، اس خطرہ کی سنگینی کے پیش نظر بہت ضروری ہے کہ بچوں کی دینی تربیت کی طرف خصوصی توجہ کی جائے۔

جلسہ کے اخیر میں حضرت مولانا نے مقابلہ میں حصہ لینے والوں کو انعامات تقسیم کئے اور جلسہ کے بعد طلبہ کے ہاسٹل کی بنیاد رکھی۔ اور حضرت مولانا کی دعا پر جلسہ بخیر و عافیت ختم ہوا۔

براہ کرم! خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں

مطالعہ کی میز پر

(تبصرہ کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں)

حبیب اللہ ندوی

نام کتاب: تیسیر القرآن۔ مصنف: مولانا محمد عبدالوحید صاحب فتحپوری، تقطیع: ۲۰×۳۰/۸
صفحات: ۱۹۲، کتابت و طباعت: متوسط۔ قیمت درج نہیں۔
ناشر: کتب خانہ قاسمیہ ۲۶م خالد منزل فتحپور (یوپی)

زیر نظر کتاب قرآن مجید کے حل لغات اور معانی الفاظ پر مشتمل پارۂ عم کا حصہ ہے، جو طالب علموں کے استفادہ کی غرض سے ترتیب دی گئی ہے۔ قرآنی متن کے ساتھ مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ پھر الفاظ کی تشریح ہے، جس میں افعال کے صیغے، ان کے ابواب، اسماء کے واحد و جمع، حروف کے مادے، اس میں آنے والی تعلیل اور مجرد میں استعمال ہونے والے ابواب، شرح و بسط کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں۔ حل لغات کے بعد ترجمہ و تشریح کے عنوان سے مولانا اشرف علی نور اللہ مرقدہٗ کی تفسیر سے استفادہ کرتے ہوئے مطالب بیان کئے گئے ہیں۔ کتاب کے شروع میں مولانا برہان الدین صاحب استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تقریظ شامل ہے۔ تقریظ نگار کی رائے اور مصنف کے دعوے کے مطابق کتاب خاص طور پر درس نظامی کے طلبہ کے لئے بہت مفید ہے۔ مصنف نے اس میں کافی محنت کی ہے، ان کی محنت و لگن اور خلوص قابل تعریف ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ درس نظامی کی درسی کتابوں کے ترجمہ کی وبا عام ہو گئی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ طلبہ کے اندر محنت و لگن اور جستجو کم ہو گئی ہے اور صلاحیتیں مفقود ہوتی جا رہی ہیں، اس کتاب کا اثر بھی اس سے مختلف نہ ہوگا اور طلبہ کے اندر شوق و محنت کے بجائے ترجمہ پر اعتماد پیدا ہو جائے گا۔

کتاب کی تصنیف میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ اسماء و افعال کے معنی کے ساتھ ساتھ ان کے مادہ اور مجرد میں آنے والے ابواب کا ذکر کیا جائے، خواہ ان ابواب کا لفظ مذکور سے تعلق ہو یا نہ ہو۔ مزید یہ کہ ان ابواب کے معنی نہیں دئے گئے ہیں جس سے آسانی کے بجائے پیچیدگی پیدا ہو گئی ہے۔ جب کسی کلمہ کی تشریح کرتے ہوئے اس کے مجرد کا باب ذکر کیا جاتا ہے تو ذہن میں فوراً یہ خیال ابھرتا ہے کہ کیا یہ لفظ مجرد میں بھی اسی معنی میں ہے، اگر معنی میں فرق ہے تو دونوں میں ربط و تعلق کیا ہے، اور چونکہ مجرد ابواب باب کے ساتھ ان کا معنی مذکور نہیں اس لئے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ بھی کلمہ مذکور کے معنی میں ہے۔ حالانکہ بعض اوقات مجرد و مزید میں بڑا فرق ہوتا ہے، مثلاً فالمغیرات کی تشریح کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ اس کا مجرد باب نصَرَ سے غارَ یغورُ آتا ہے (مجرد کا معنی مذکور نہیں) جب کہ أغار کے معنی تخت و تاراج کرنا اور غارَ کے معنی گہرائی میں جانا ہوتا ہے۔ فتدبر

مصنف کی یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی کہ انھوں نے طلبہ کی استعداد بڑھانے کے لئے ہر کلمہ کے مجرد کے ابواب تو ذکر کر دئے مگر ان ابواب کے معانی محض اس غرض سے نہیں لکھے کہ طالب علم کا ذہن متحمل نہ ہو سکے گا، پھر تو ہر ہر کلمہ کے ابواب لکھنے کی بھی ضرورت نہیں تھی، حقیقت یہ ہے کہ لفظ مذکور اور مجرد کے معنی میں ہم آہنگی ہو تو سمجھنے اور یاد رکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ افعال اور اسماء مشتقات کی حد تک تو یہ تفصیل (بعض وقت) چل سکتی ہیں مگر جب مصنف اسماء جامدہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اس کا مجرد فلاں فلاں باب سے آتا ہے۔ تو عجیب مضحکہ خیز صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں لفظی موشگافی اور فقہ اللغۃ کی بات تو ہو سکتی ہے کوئی علمی کام یا تعلیمی افادیت نہیں ہو سکتی۔ مثال کے لئے ذیل میں ہم کتاب سے کچھ نمونے نقل کرتے ہیں جس میں انھوں نے اسماء جامدہ کے ابواب گنائے ہیں۔ بریکٹ میں مجرد کے معنی لکھ دئے گئے ہیں تاکہ صحیح صورت حال کا اندازہ ہو جائے۔

سراج جمع سُرُج۔ چراغ۔ اس کا مجرد باب نصر سے آتا ہے (سَرَجَ کے معنی جھوٹ بولنا، حسین بنانا و سنوارنا)۔

سَراب۔ چمکتی ہوئی ریت جو دور سے پانی پانی معلوم ہو۔ باب نصر سے آتا ہے (سَرَبَ کے معنی پانی کا بہنا یا ٹپکنا)۔

غسّاق۔ پیپ۔ بدبودار پانی۔ مجرد غسق ہے (غسق کے معنی رات کا تاریک ہونا یا زخم خراب ہونا)

اتراب۔ واحد ترب۔ ہم عمر باب سمع سے ترِبَ (ترب کا معنی محتاج ہونا)

ساہرہ۔ میدان۔ روئے زمین۔ باب سمع سے سہِرَ۔ (سہر کا معنی رات بھر جاگنا)

ساعۃ۔ قیامت۔ وقت۔ باب نصر سے ساعَ (ساع کے معنی ضائع ہو گیا)

سبیل۔ راستہ۔ باب نصر و ضرب سے سَبَلَ (معنی گالی دینا)

جبال واحد جبل۔ پہاڑ۔ باب نصر و ضرب سے جبل (معنی پیدا کرنا۔ گارا بنانا)

ارائک واحد اریکۃ۔ مسہریاں۔ باب نصر و ضرب سے (معنی اونٹ کا پیلو کھانا۔ زخم کا اچھا ہونا)۔

کُلّ۔ تمام۔ ہر ایک۔ باب ضرب سے کَلَّ (معنی تھکن۔ زبان یا نگاہ کا کام نہ کرنا)

ابابیل۔ جھنڈ۔ باب نصر و ضرب اَبَلَ (معنی اونٹ کی دیکھ بھال کرنا)۔

ان مثالوں میں دیکھا جا سکتا ہے کہ اصل الفاظ کے معانی اور ان کے مجرد کے معنی میں کتنی دوری ہے اور کیا جوڑ ہے، اس قسم کی تحقیق سے طالبعلموں کو کیا فائدہ ہوگا واضح ہے۔

بعض الفاظ کے معانی بھی صحیح نہیں معلوم ہوتے۔ آیت أنّ مالہٗ اخلدہ کا ترجمہ اس کا مال ہمیشہ رہے گا کیا گیا ہے، جب اخلدہ متعدی ہے اور اس کا معنی جعلہٗ خالداً ہے اسی طرح طور کو علم قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ نکرہ ہے پہاڑ کے معنی میں۔ اضافت کی وجہ سے تخصیص آگئی ہے۔

سرسری طور پر یہ چند باتیں ذکر کی گئیں ورنہ تفصیلی جائزہ تو کئی نسطوں میں پورا ہو سکے گا۔ امید ہے اگلے ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر لی جائے گی۔

حرمین شریفین میں ٹونک کی رباطیں: مصنف قاضی محمد عمران خان ٹونکی
سائز ۲۲×۱۸/۳۶، صفحات: ۹۸، قیمت: دس روپے
ناشر وقف کمیٹی حرمین شریفین بیگمات ٹونک۔ ٹونک راجستھان

صدقۂ جاریہ کی غرض سے مساجد و مدارس کی تعمیر، سرایوں اور مسافر خانوں کا قیام، دینی امور کے لئے جائداد وقف کرنا اور پھر ان میں تنافس کا جذبہ مسلمانوں میں ہمیشہ پایا جاتا رہا ہے۔ اسی جذبہ کے تحت مسلمان بادشاہ اور خصوصاً ہندوستان کا بادشاہوں اور روساء کی کوشش رہی ہے کہ حرمین شریفین میں کوئی رفاہ عامہ کا کام کر جائیں۔

راجستھان کی مسلم ریاست ٹونک کے روساء اور خاص طور پر بیگمات نے بھی اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور مکہ میں تین رباطیں، رباط فردوسہ، رباط فردوسیہ، رباط خلیلیہ اور مدینہ منورہ میں دو رباطیں رباط فردوسیہ، اور رباط جمیلہ، وقف کی ہیں جو آج تک ایام حج میں حجاج کرام کے لئے باعث راحت و آرام ہیں۔

اس کتاب کے اندر انھیں رباطوں (سرایوں) کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان کی تاریخ، نقشہ محل وقوع، رقبہ وقف کنندہ، وثیقوں کی تفصیل، اور اس سلسلہ کے ضروری معلومات و حالات جمع کئے گئے ہیں جس سے متفرق دستاویزات یکجا ہو گئے جن کے ضائع ہو جانے کا خدشہ تھا۔ کتابت طباعت اچھی ہے۔

(نتیجۂ فکر)

بے شبہ سپر ہے وہ آخرت میں حملۂ جہنم سے بچاتا ہے، اور دنیا میں بغاوت نفس سے بچاتا ہے، اور بجث عمل سے بچاتا ہے، کیونکہ روزہ کی جزا خود خدا ہے اور وہ خیر محض اور نیکیٔ خالص ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال اللہ تعالیٰ کل عمل ابن آدم لہٗ الا الصیام فانہٗ لی وانا اجزی بہ والصیام جنۃ۔

(رواہ البخاری)

(حدیث قدسی ہے، کہ خدا نے فرمایا)

انسان کا تمام عمل اس کے لئے ہے لیکن روزہ میرے لئے ہے، میں اس کی جزاء ہوں اور روزہ سپر ہے۔

بس مبارک ہے وہ جو اس سپر کو لے کر کارزار اعمال میں آتا ہے کہ وہ حملۂ نفس سے زخمی نہ ہوگا، مبارک ہے وہ جو ان ایام میں بھوکا رہتا ہے کہ وہ آسودہ ہوگا، مبارک ہے وہ جو ان ایام میں پیاسا رہتا ہے کہ وہ سیراب ہوگا۔

سبوح قدوس ربنا ورب الملٰئکۃ والروح۔